منصف

minarenoor@yahoo.com

مینارۂ نور

دینی، مذہبی وثقافتی ایڈیشن

جمعہ 3/ اکتوبر 2025ء

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ

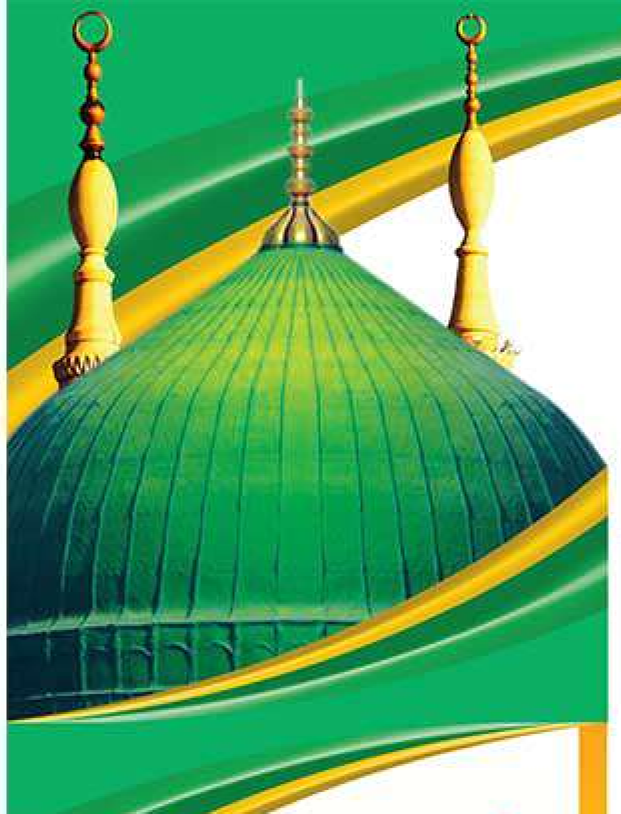

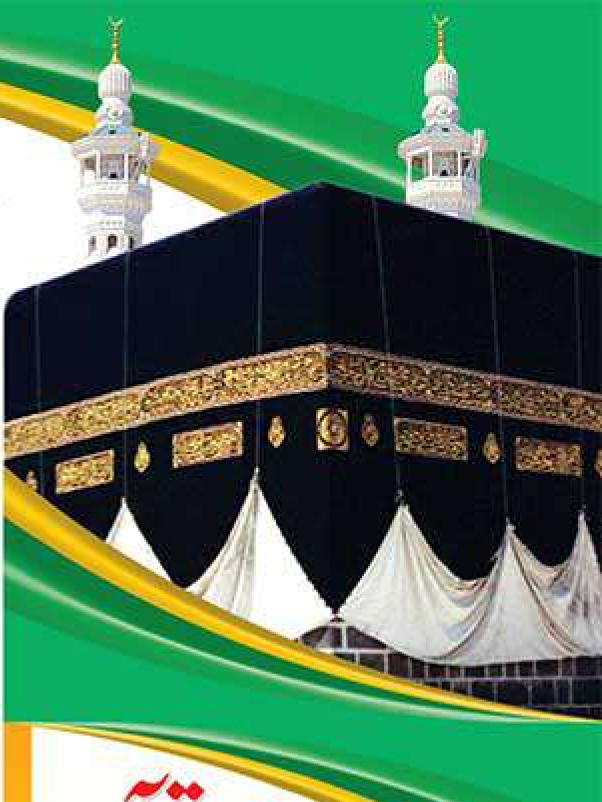

درسِ قرآن

مسجدوں کو برباد کرنے والے

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَآ إِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)

"اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لئے جانے سے روکے، اور ان کو خراب کرنے کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو ان میں داخل ہونا ہی نہ چاہئے تھا مگر اس حال میں کہ وہ ڈر رہے ہوں، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

ظلم کیا ہے؟ اسے یوں سمجھئے کہ کسی کی، یا اپنی جان کے مالک آپ نہیں ہیں، ہر ایک کی جان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے مالک کی اجازت کے بغیر آپ کسی کی جان لیں گے تو ظلم ہوگا [illegible]

[illegible] مسجدیں اللہ کے ذکر کے لئے بنائی گئی ہیں، اللہ کی ملکیت ہوتی ہیں، اللہ کی اجازت کے بغیر، ان پر قبضہ جمانا اور غیر اللہ کی پوجا کرنا ظلم ہے اور ظلم کی سزا دنیا میں، ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم کا مزہ بھی ظالموں کو بھگتنا ہوگا۔

☆☆☆

درسِ حدیث

اخلاص سے کیا گیا عمل مقبول ہوگا

عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أرأيت رجلا غزا يلتمس الأجر والذكر، ماله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا شيء له. فأعادها ثلاث مرار، ويقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا شيء له، ثم قال: إن الله عز وجل لا يقبل من العمل إلا ما كان له خالصا وابتغي به وجهه. (ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، ان کا بیان ہے کہ: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے دریافت کیا کہ: "ایک آدمی جہاد کرتا ہے، آخرت میں اجر حاصل کرنے اور دنیا میں شہرت پانے کے لئے تو اس کو کیا ملے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو کچھ نہیں ملے گا"۔ سوال کرنے والے نے اپنا یہ سوال تین بار دہرایا، اور ہر بار نبی ﷺ یہی فرماتے رہے: "اس کو کچھ نہیں ملے گا"۔ پھر آپ ﷺ نے بتایا کہ: "اللہ بزرگ و برتر صرف اسی عمل کو قبول کرتے ہیں جو خالص اسی کے لئے کیا گیا ہو، اور صرف اس کی خوشنودی اس کا محرک ہو"۔ حدیث کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ اعمال کو قابل قبول بنانے والا جوہر اخلاص ہے۔ [illegible]

[illegible] پر اخلاص نہیں ہوتا ہے۔ اس سے نہ دلکش شخصیت بنتی ہے، نہ پاکیزہ کردار وجود میں آتا ہے۔ نہ بندوں کے قلوب پر اس کا کوئی بھلا اثر پڑتا ہے، اور نہ سماج میں ایسے شخص کو کوئی نیک نامی یا عزت ملتی ہے۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہارِ محبت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسانؓ کی فطرت ہے کہ اس کو اپنے محبوب کا نمائندہ بھی محبوب اور مرکز تقدیس واحترام کا نمائندہ بھی مقدس ومحترم ہوتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے، اور ہر انسان کے اندر پایا جاتا ہے، پھر یہ بھی ایک فطری بات ہے کہ جو ہستی انسان پر احسان کرتی ہے، انسان اس کے لئے اپنے دل میں محبت کی حرارت محسوس کرتا ہے؛ اسی لئے عربی زبان کا محاورہ ہے: الانسان عبد الاحسان (انسان احسان کا بندہ ہے)، اب غور کیجئے تو انسان کا پورا وجود اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کا شاہکار ہے، کھانے کے ایک ایک لقمہ سے لے کر جسم کو ڈھانکنے والے کپڑے کے ایک ایک ٹکڑے، جسم میں دوڑنے والے خون کے ایک ایک قطرہ سے لے کر باہر اور اندر جانے والی ایک ایک سانس تک سب کچھ خدائے خالق ومالک کا عطیہ اور خود اس کا وجود اور زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کا صدقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا ہے، دیکھنے کی، سننے کی، بولنے اور چلنے پھرنے کی، یہ سب انمول نعمتیں ہیں؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان صلاحیتوں کا استعمال بجا طریقہ پر بھی ہو سکتا ہے اور بے جا طریقہ پر بھی، اس طور پر بھی کہ وہ جسم انسانی کے لئے مفید ہو اور اس طرز پر بھی کہ وہ انسان کے لئے نقصان دہ اور مضرت رساں ہو جائیں، انگور ایک عمدہ، مزے کے اعتبار سے لذیذ اور دیکھنے کے اعتبار سے خوبصورت پھل ہے، اس کو کھانا قوت میں اضافہ کا سبب ہے، بہت سی دوائیں انگور کے شیرہ ہی سے حاصل ہوتی ہیں، اسی سے ہمیں مقوی اور لذیذ مشروب ملتے ہیں، اسی کو سکھا کر کشمش تیار کی جاتی ہے؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسی سے نشہ آور شراب بھی تیار ہوتی ہے، جو وقتی طور پر انسان کی عقل کو مفلوج کر دیتی ہے، اور جو مختلف پہلوؤں سے انسان کی صحت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے؛ اس لئے اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ بات بھی ضروری تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں کے صحیح استعمال کا طریقہ بتائیں، اور غلط استعمال سے بچنے کی ہدایت سے نوازیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ رحمت اور بے حد وحساب فضل وکرم کرتے ہوئے اور اپنے بندوں پر رحم کھاتے ہوئے اپنے نمائندے بھی بھیجے، اور اپنی نمائندگی کے لئے انسانوں ہی میں سے کچھ برگزیدہ ہستیوں کا انتخاب فرمایا، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو بندوں تک اپنی زبان کے ذریعہ پہنچایا اور اپنے عمل کے ذریعہ بندگانِ خدا کے لئے واضح فرما دیا، جن کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

چوں کہ یہ انسانیت کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس سے آخرت کی نجات ہی متعلق نہیں ہے؛ بلکہ دنیا کی کامیابی بھی اس سے مربوط ہے؛ اس لئے اول دن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا نظام قائم فرمایا، سیدنا حضرت آدمؑ پہلے انسان بھی تھے اور پہلے پیغمبر بھی، انسانی تمدن جوں جوں آگے بڑھتا گیا، اللہ تعالیٰ کے احکام آتے گئے، اور انسان جب جب راہ حق سے ہٹا، اور تعلیمات الٰہی کو فراموش کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نبیوں کو بھیجتے رہے، جیسے سال بھر کا بچہ ایک کپڑا پہنتا ہے، جب وہ دو تین سال کا ہو جاتا ہے تو نئے کپڑے کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح انسانی تمدن کی ترقی کے اعتبار سے شریعت کے نئے لباس کی ضرورت پیش آتی رہی، اور اللہ کی طرف سے نبیوں کے ذریعہ اپنے زمانہ کے احوال کے اعتبار سے ہم آہنگ نیا لباس آتا رہا، اور انبیاء کرام ان کو انسانیت تک پہنچاتے رہے، جب انسانی معاشرہ اپنے فہم اور تمدن کے اعتبار سے کمال کو پہنچ گیا تو پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو تاج نبوت پہنا کر دنیا کی طرف بھیجا گیا، جیسے انسان جوانی میں جو کپڑا پہنتا ہے، زندگی کے آخری لمحے تک اپنے سائز کے لحاظ سے وہ کپڑا اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اسی طرح عقل وتمدن کے شباب کے اس دور میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی شریعت بھیجی گئی جو قیامت تک انسانیت کیلئے کافی ہوگی؛ اسی لئے آپ کے بعد کسی اور نبی کی اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی، اور نبوت کا سلسلہ آپ پر تمام ہوگیا۔

اب خالق کائنات سے محبت اور اس کے احسانات کا لازمی تقاضہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو نمائندے بھیجے گئے، ہر انسان ان کا احترام کرے، یوں تو یہ ہر انسان کا فریضہ ہے؛ لیکن جب کوئی شخص ایمان لے آئے تو اس پر احترام کے ساتھ ساتھ محبت بھی ضروری ہے، ایسی محبت جو اس کے وجود سے بھی بڑھ کر ہو؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے لئے نبی کی ذات اس کے وجود سے بھی زیادہ عزیز ومحبوب ہے: النبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم (احزاب: ۶) بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت وپیروی سے عبارت ہے: قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله (آل عمران: ۳۱) خود رسول اللہ ﷺ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تک میں تم لوگوں کو اپنے ماں باپ اور اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، تم مسلمان نہیں ہو سکتے (صحیح البخاری، عن ابی ہریرۃؓ، باب حب الرسول من الایمان: ۱/۱۰) آپ کے اس ارشاد میں والد اور اولاد کا ذکر بطور مثال کے ہے؛ کیوں کہ انسان کو سب سے زیادہ اپنے والدین اور اپنے بچے عزیز ہوتے ہیں؛ لیکن مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پوری انسانیت سے بڑھ کر ہو؛ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔ من والدہ وولدہ والناس أجمعین (صحیح مسلم، عن انس، باب وجوب محبۃ الرسول من الایمان: ۱/۱۰) حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی ذات کے سوا ہر چیز اور ہر شخص سے زیادہ عزیز ہیں، حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو ایمان کے لئے ناکافی قرار دیا، اور فرمایا: جب تک تمہارے دل میں میری محبت تمہاری اپنی ذات سے بھی زیادہ نہ ہو، تم مومن نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کا سینہ کھول دیا اور انھوں نے عرض کیا: اب آپ مجھ کو اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہیں: فانه الآن والله لانت أحب الى من نفسى، آپ نے ارشاد فرمایا: اب تم صاحب ایمان ہوئے: الآن یا عمر (صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی: ۸/۱۶۱) محبت کوئی لفظی اور رسمی چیز نہیں ہے؛ بلکہ گہرے احساس اور جذباتی تعلق کا نام ہے، جس کو انسان محسوس کر سکتا ہے، کما حقہ بیان نہیں کر سکتا، جس کی لذت اعلیٰ سے اعلیٰ غذا سے بڑھ کر ہے؛ اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں تین باتیں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت کو محسوس کرے گا، اس میں سب سے پہلے آپ نے جس چیز کا ذکر فرمایا، وہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کی محبت اس کے ماسوا سے بڑھی ہوئی ہو (صحیح بخاری، عن انس، باب حلاوۃ الایمان: ۱/۱۰) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ﷺ سے آپ حضرات کی محبت کس درجہ کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: ہمارا مال، ہماری اولاد، ہمارے ماں باپ اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہمیں آپ کی ذات محبوب تھی (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/۲۲) یہ ٹھنڈے پانی کی تشبیہ بہت اہم ہے؛ کیونکہ جب زمین تپ رہی ہو، سورج آگ برسا رہا ہو اور پیاس سے حلق خشک ہو رہا ہو تو ٹھنڈے پانی سے صرف پیاس ہی دور نہیں ہوتی؛ بلکہ ایسے شخص کو بے حد لذت حاصل ہوتی ہے، پس حضور ﷺ کی محبت عام چاہتوں کی طرح ایک چاہت نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ایک خاص قسم کی لذت ہے۔

اور یہ کوئی خوش گمانی کی بات نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت ہے کہ اس دور انحطاط میں بھی ہر صاحب ایمان اس کو محسوس کرتا ہے، اس کو حضور ﷺ کا نام لینے میں، آپ کا مبارک ذکر سننے میں، آپ کے روضۂ مبارک تک پہنچنے میں اور آپ کی اتباع وپیروی میں ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی چیز سے ایسی لذت حاصل نہیں ہو سکتی، محبت کی جس کیفیت کا احادیث میں ذکر آیا ہے، یہ کوئی فرضی بات اور مبالغہ نہیں ہے، آپ کے رفقاء عالی مقام کی زندگی میں ہمیں اس کے بہترین نمونے ملتے ہیں، یہ آپ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، اہل مکہ کے انکار اور ایذا رسانیوں کے پس منظر میں حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور سفر کی رفاقت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا، پہلی منزل حراء کی تھی، آپ غار حراء کی طرف چلے، حضرت ابوبکرؓ ساتھ چلتے ہوئے کبھی آپ سے آگے بڑھ جاتے اور کبھی آپ کے پیچھے ہو جاتے، حضور ﷺ نے ان کے اس طرح کبھی آگے چلنے اور کبھی پیچھے آجانے کا سبب دریافت کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جب مجھے پیچھے کی طرف سے کسی کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو میں آپ کے پیچھے ہو جاتا ہوں، اور آگے سے کسی چھپے ہوئے شخص کے وار کرنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو آپ سے آگے ہو جاتا ہوں، یعنی ہر صورت میں چاہتا ہوں کہ میں اس وار کا شکار ہو جاؤں اور آپ محفوظ رہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے بدلے تمہاری جان چلی جائے؟ انھوں نے کہا: بے شک، پھر جب غار تک پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: آپ ابھی باہر ہی رہیں، یہاں تک کہ ہم غار کو صاف کر دیں، یعنی یہ اندیشہ تھا کہ اگر کچھ سانپ، کیڑے وغیرہ ہوں تو آپ کو ان سے تکلیف نہ پہنچے (دلائل النبوۃ: ۲/۴۷۲)

محبت کا یہ نشہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی میں نہیں تھا؛ بلکہ ایک ایک مرد اور خاتون صحابی اس نشۂ محبت سے سرشار تھے، غزوہ احد کے موقع سے بنو دینار کی ایک خاتون کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں شہید ہوگئے، جب جب ان کو ان میں سے کسی کی موت کی اطلاع دی گئی، انھوں نے دریافت کیا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ جواب ملا: وہ بحمد اللہ عافیت کے ساتھ ہیں، انھوں نے عرض کیا: تو مجھے آپ کی ایک جھلک دکھا دیں، جب آپ ﷺ آگے بڑھے تو ان خاتون کو دکھایا گیا، آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگیں، آپ کے رہتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے: کل مصیبة بعدک جلل (سیرت ابن ہشام: ۲/۹۸) یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج بھی مسلمانوں کے سینے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی محبت سے معمور ہیں، ان کیلئے ہر مصیبت کو برداشت کرنا آسان ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اہانت اور آپ کی شان اقدس میں ادنیٰ گستاخی ناقابل برداشت ہے، اگر اس راہ میں ان کی جان بھی چلی گئی تو وہ اس کو ہنسی خوشی گوارا کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 2 پر)

سردارِ اولیاء اللہ سیدنا غوث پاکؓ کی شان

مولانا حافظ وقاری سید صغیر احمد نقشبندی مجددی قادری

(شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد)

اللہ سبحانہ تعالیٰ انبیاء کرام ومرسلین عظام کو معجزات اور اولیاء کو کرامتیں عطا فرمائے۔ کرامت ان خارق عادت افعال کو کہتے ہیں جو مومنین، صالحین اور اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں، تاریخِ اسلام اولیاء وصوفیاء کی کرامات سے بھری پڑی ہے، مثلاً سیدنا سلیمانؑ کے صحابی حضرت آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے قبل ملکۂ سبا کا تخت آپ کی خدمت میں پیش کر دینا، امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کا دورانِ خطبہ منبر پر ہی میدان جنگ کا مشاہدہ کرنا لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت ساریہؓ کو عسکری ہدایات دینا، اسی طرح سیدنا غوث اعظمؓ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں، آپؓ امت محمدیہ میں کثیر الکرامات اولیاء میں سے ہیں اور آپؓ سے بچپن ہی سے کرامتیں ظاہر ہوتی رہیں، آپ کی والدہ محترمہ سیدہ ام الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میرے فرزند جس دن پیدا ہوئے اس دن سے پورے رمضان المبارک میں سحر سے لیکر افطار تک دودھ نہیں پیتے تھے، کان لا یرضع ثدیي في نهار رمضان. وہ رمضان شریف میں دن تمام دودھ نہیں پیتے تھے۔

یہ بات قصبہ جیلان میں مشہور ہوگئی تھی کہ سادات گھرانہ میں ایک لڑکا تولد ہوا ہے جو رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ دن میں دودھ نہیں پیتا ایک دفعہ ابر آلود ہونے کی وجہ سے لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا تو لوگ آپ کے مکان آکر دریافت کرنے لگے۔ سید زادے دن میں آج دودھ پیے یا نہیں؟ آپ کی والدہ ماجدہ نے بتایا کہ میرے صاحبزادے نے آج دودھ نہیں پیا ہے۔ تحقیق کے بعد ظاہر ہوا کہ اس دن رمضان المبارک کی پہلی تاریخ تھی۔ اشتهر ببلدنا في ذلك الوقت أنه للأشراف ولد لا يرضع في نهار رمضان. (طبقات کبریٰ، جامع کرامات، قلائد الجواہر، بہجۃ الاسرار) ہمارے شہر میں مشہور ہوگیا تھا کہ سادات گھرانے میں ایک لڑکا تولد ہوا ہے جو رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

اس سے قدرتِ الٰہی کا اظہار ہوتا ہے اسی سبب بچپن ہی سے ولایت کی شہرت عام ہوگئی تھی، بعض لوگ اس طرح کی کرامتوں کا لاعلمی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی وبے ادبی ہو جاتی ہے ایسی غلط فکر سے محفوظ رہنا ضروری ہے ورنہ ایمان سے محرومی ہوتی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب (بخاری) جو کوئی میرے کسی ایک ولی سے بھی دشمنی رکھتا ہے میں ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

بچپن ہی سے جو کرامتیں غوث پاک سے صادر ہوئیں ان کی تائید میں بہت سی احادیث شریفہ موجود ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: یقول: بینا امرأة ترضع ابنها إذ مرّ بها راكب وهي ترضعه. إلى آخره۔ (بخاری) رسول انور ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا (پچھلی امتوں میں) ایک عورت اپنے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھی اس وقت اس خاتون کے پاس سے ایک سوار گزرا اس عورت نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میرا بیٹا اس شخص کی طرح نہ ہو جائے تو دودھ پینا چھوڑ کر فوراً اس بچے نے عرض کی اے باری تعالیٰ! مجھے اس شخص کی طرح نہ بنانا پھر وہ بچہ دودھ پینے لگا اور ایک مظلومہ عورت اس دودھ پلانے والی خاتون کے پاس سے گزری جس کو گھسیٹا جا رہا تھا اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اس بچے کی والدہ نے دعا کی: اے اللہ! میرے لڑکے کو اس عورت کی طرح نہ بنانا شیر خوار بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر فوراً دعا کی مولائے کریم تو مجھے اس عورت کی طرح (سچا اور نیک) بنا آقا نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ سوار جو پہلے گزرا وہ کافر تھا اور دوسری مرتبہ جو عورت گزری اس پر زنا اور چوری کی تہمت لگائی گئی تھی (حالانکہ وہ بڑی نیک خاتون تھی) وہ کہتی تھی اللہ میرے لئے کافی ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کو ایسا علم عطا کیا کہ وہ اپنی والدہ کی دعا سن بھی رہا ہے او رسمجھ بھی رہا ہے اور ہر دو کے احوال سے واقف ہو کر اللہ کی بارگاہ میں نیک بنانے کی دعا کر رہا ہے۔ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے شیر خوار بچے کا ہے۔ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ تو امت محمدیہ خیر امت اور اہل بیت عظام میں سے ہیں اگر وہ شیر خواری میں روزہ رکھیں تو اس واقع کو تسلیم کرنے میں شک نہیں کرنا چاہئے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ چلنے اور بات کرنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ محترمہ نے چھوٹی سی عمر میں اس وقت کے جید عالم دین کے پاس بسم اللہ پڑھانے کیلئے آپ کو لے گئیں، استاد محترم نے کہا: بیٹا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو، تو آپ خاموش رہے، استاد نے پڑھنے کیلئے اصرار کیا لیکن آپ خاموش رہے، اس طرح تین مرتبہ اصرار کرتے رہے، استاد سمجھ گئے بچہ چھوٹا ہے ہیبت وحیاء محسوس کر رہا ہوگا، لیکن جب آپ چوتھی مرتبہ استاد کے کہنے پر بسم اللہ سے آغاز کر کے تقریباً اٹھارہ پارے زبانی سناتے رہے استاد اور سامعین یہ کیفیت دیکھ کر حیران ہوگئے، استاد نے پوچھا بیٹا تم نے ان پاروں کو کس طرح یاد کیا تو آپؒ نے جواب میں کہا میری والدہ محترمہ چودہ پارے کی حافظہ ہیں ہر صبح جب تک ان پاروں کی تلاوت نہیں کر لیتیں گھر کے کام کاج میں مصروف نہیں ہوتی تھیں۔ جو اپنی والدہ کے شکم میں اٹھارہ (۱۸) پارے حفظ کر لے تو اس بات کو تسلیم کرنے میں شک نہیں کرنا چاہئے۔ آپؒ سے پڑھنے کیلئے تین مرتبہ کہا گیا تو آپ نہیں پڑھے اس میں بھی مشیت خداوندی اور اتباع سنت رسولؐ ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ جس وقت پہلی وحی نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے جبرئیل امین کے تیسری مرتبہ کہنے کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے: حتىٰ جاءه الحق وهو في غار حراء 'فجاءه الملك فقال: اقرأ، قال: ما أنا بقارئ، قال: فأخذني، فغطني، حتىٰ بلغ مني الجهد آپ کے پاس وحی آگئی اس حال میں کہ آپ غار حراء میں تھے' آپ کے پاس فرشتہ آیا اس نے کہا: "پڑھیے" آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں"

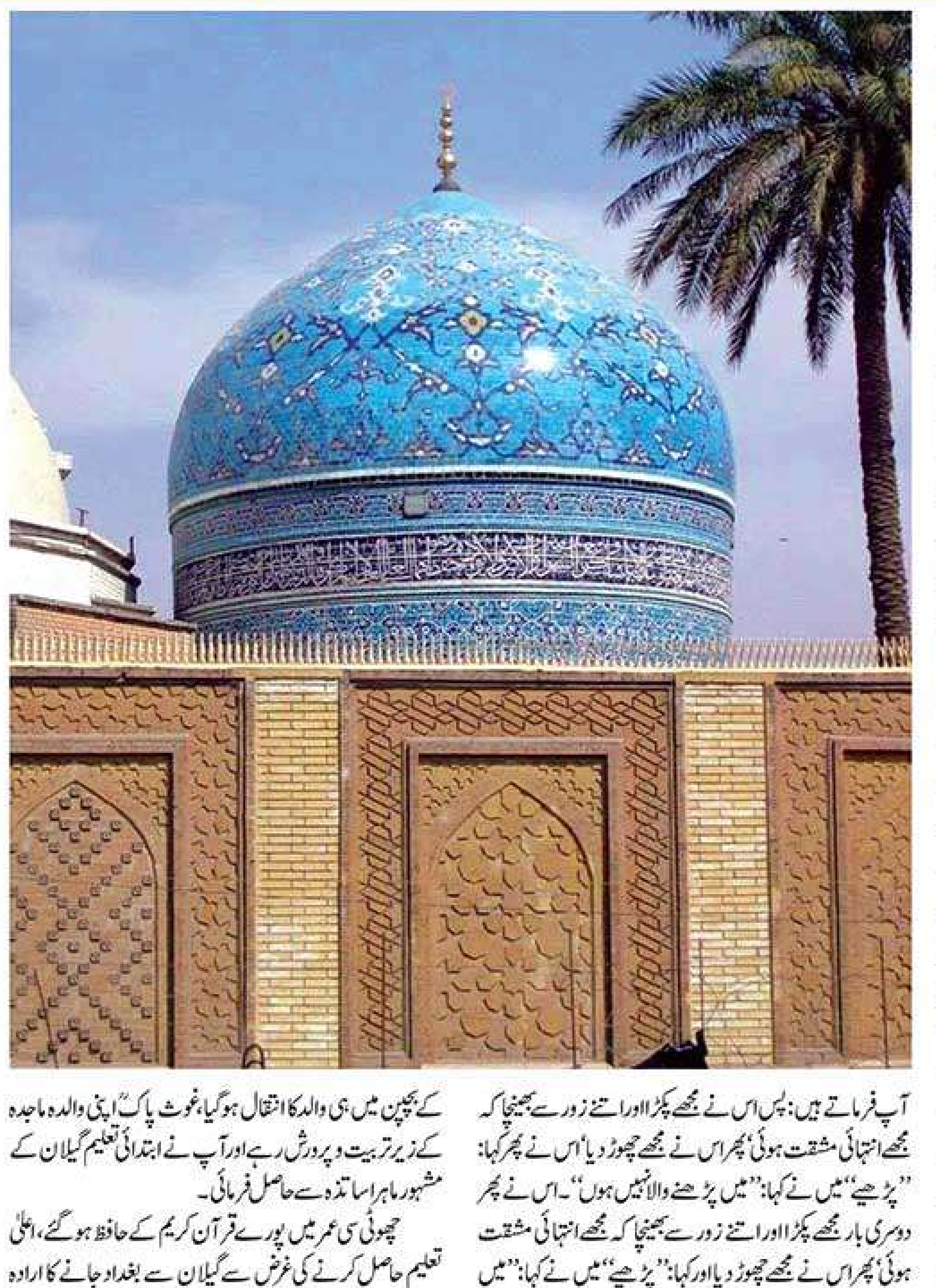

آپ فرماتے ہیں: پس اس نے مجھے پکڑا اور اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا' اس نے پھر کہا: "پڑھیے" میں نے کہا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں"۔ اس نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھیے" میں نے کہا: "میں پڑھنے والا نہیں ہوں" پس اس نے مجھے پکڑا اور تیسری بار اتنے زور سے مجھے بھینچا کہ مجھے انتہائی مشقت ہوئی' پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا 'پھر کہا: "(اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے (آپ کو) پیدا کیا، جمے ہوئے خون سے انسان کو پیدا کیا پڑھیے اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے" (العلق: ۱-۳)

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ بچپن ہی سے شریعت کے پابند تھے، آپ کے والد گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست نہایت متقی پرہیزگار، پابند شریعت، ولی کامل، حسنی سادات سے تھے۔ آپ کے بچپن میں ہی والد کا انتقال ہوگیا، غوث پاکؒ اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت و پرورش رہے اور آپ نے ابتدائی تعلیم گیلان کے مشہور ماہر اساتذہ سے حاصل فرمائی۔

چھوٹی سی عمر میں پورے قرآن کریم کے حافظ ہوگئے، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گیلان سے بغداد جانے کا ارادہ کیا، اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ والدہ محترمہ کی اجازت سے ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ بغداد کے لئے روانہ ہوگئے روانگی سے قبل والدہ صاحبہ نے چند نصیحتیں فرمائی اور فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! ہر حال میں سچ بولنا۔ جب یہ قافلہ ہمدان مقام سے گذرا تو تاک میں بیٹھے ہوئے ڈاکوؤں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ سب ڈاکو ہتھیار سے لیس تھے اور مسافروں کا مال لوٹ رہے تھے، ڈاکوؤں کے سردار احمد بدوی نے کہا: اے لڑکے! تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ اس نے دریافت کیا وہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: میری صدری کے اندرونی جیب میں ہیں جب اس نے صدری نکالی اور دیکھا تو اس میں واقعۃً چالیس دینار موجود تھے، اس نے پوچھا آپ کو اس کے ظاہر کرنے پر کس چیز نے ابھارا میں نے کہا: میری والدہ محترمہ نے مجھے سچ بولنے کی تاکید کی تھی۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ان کلمات کا احمد بدوی پر ایسا اثر ہوا کہ وہ رونے لگا اور کہنے لگا: آپ نے اپنی والدہ سے عہد شکنی نہیں کی، میں نے ساری زندگی اپنے پروردگار کی عہد شکنی کی، فوراً وہ میرے دست پر تائب ہوئے اور ان کے ساتھ سارے ڈاکو بھی تائب ہوگئے اور اپنی بقیہ زندگی شریعت کے مطابق گزاری۔ (بہجۃ الاسرار، قلائد الجواہر)

سن ۴۸۸ھ میں بغداد پہنچے اور مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لے لیا، مدرسہ نظامیہ اس دور کی سب سے بڑی دینی درسگاہ تھی جس میں عالم اسلام کے نہایت قابل ترین اساتذہ کرام درس دیا کرتے تھے، آپ نے ان سے علوم شریعت حاصل کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب کے علاوہ تمام علوم میں مہارت حاصل کی، پھر علوم شریعت کی تحصیل سے فراغت کے بعد کسی عارف کامل پیر ومرشد کی تلاش میں رہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے: اے اللہ! مجھے تیرے نیک بندوں میں سے پیر کامل سے ملا دے۔ آپ کی دعا قبول ہوگئی اور شیخ حماد بن مسلمؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرت حمادؒ نے آپ کی روحانی تربیت فرمائی اور حضرت حمادؒ آپ کی بہت قدر فرماتے، اپنے دیگر مریدین وخلفاء کے درمیان فرماتے: اے نادانو! تمہیں کیا معلوم کہ عبدالقادرؒ آفتاب بن کر تمام جہاں میں چمکنے والے ہیں اور تم ان کے مقابلے میں چراغوں کی طرح ٹمٹما کر رہ جاؤ گے۔ شیخ کی صحبت نے آپ کے دل میں عشق الٰہی کی آگ کو خوب بھڑکایا اور سخت ترین مجاہدات پر آپ کے دل کو آمادہ کیا جو راہِ طریقت کی منازل طے کرنے کے لئے ضروری تھے۔ آپ بغداد کے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل گئے تقریباً بارہ (۱۲) سال تک چلہ کشی کرتے رہے۔ دریائے دجلہ کے کنارے جاتے درختوں کے پتوں سے روزہ افطار کرتے مسلسل مجاہدات کے ذریعہ سلوک کے منازل طے کرتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں عبادت میں مصروف تھا اچانک زمین سے آسمان تک روشنی پھیل گئی اور اس روشنی میں سے کوئی بلند آواز میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں تمہاری عبادت وریاضت سے خوش ہو کر فرائض معاف کرتا ہوں اور حرام چیزوں کو حلال کر دیتا ہوں۔ تو آپ نے یہ سن کر فوراً لاحول پڑھتے ہوئے فرمایا: جا تو شیطان مردود ہے فوراً وہ روشنی غائب ہوگئی پھر ایک آواز آئی: اے عبدالقادر! تمہیں تمہارے علم نے بچا لیا۔ آپ نے فوراً کہا: اے مردود مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ اللہ کے فضل نے بچایا ہے۔ (طبقات کبریٰ، قلائد الجواہر، بہجۃ الاسرار)

پھر آپ مدرسہ نظامیہ میں تدریس و افتاء میں مصروف ہوگئے۔ کئی علماء ومفتیان کرام نے آپ سے اکتساب فیض کیا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام دینی خدمات کیلئے اقطاع عالم میں پھیل گئے اس طرح آپ کا فیض ساری دنیا میں عام ہوگیا۔ تدریس وافتاء کا سلسلہ جاری تھا لیکن وعظ ونصیحت نہیں فرماتے تھے۔ سن ۵۲۱ھ آپ دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: يبني لم لا تتكلم اے بیٹے تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: أنا رجل أعجمي كيف أتكلم على فصحاء العرب؟ میں عجمی ہوں فصحائے عرب کے سامنے کس طرح زبان کھولوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو۔ میں نے اپنا منہ کھولا تو رحمتِ عالم ﷺ نے سات مرتبہ میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور حضرت علیؓ نے چھ (۶) مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔ اس کے بعد میرے دل میں ایک عجیب نورانی کیفیت پیدا ہوئی۔ زبان میں قوت گویائی پیدا ہوئی تو میں نے لوگوں میں نصیحت کی خاطر ایک مجلس کا آغاز کیا۔ (قلائد الجواہر، بہجۃ الاسرار) وعظ کی محفل میں لاکھوں لوگ تائب ہو جاتے اور ہزاروں لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتے چار سو علماء قلم ودوات لے کر بیٹھتے تھے اور بیک وقت ستر ہزار سامعین آپ کا وعظ سننے آتے تھے، بڑے مجمع میں آخر صف والا بھی اتنی ہی آواز سے سنتا تھا جتنی آواز سے سامنے بیٹھا ہوا شخص سنتا تھا۔ (قلائد الجواہر، بہجۃ الاسرار)

آپ کی محفلِ وعظ کے چرچے بغداد شریف میں پھیل گئے۔ اس زمانے کے دیگر علماء ومشائخ کی محفلیں خالی ہوگئیں سارے لوگ آپ ہی کی مجلس ومحفل میں حاضر ہونے لگے۔ حضرت مفرج بن صبہان شیبانیؒ فرماتے ہیں حسد کی وجہ سے ایک سو مستند علماء نے یہ طے کیا کہ ہم میں سے ہر ایک شخص مشکل سے مشکل مسئلہ دریافت کر کے آپ کی علمی قابلیت کا امتحان لے گا۔ یہ سب علماء جب آپ کی مجلس میں پہنچے تو آپ نے ان کے ارادوں کو بھانپ لیا اور خاموش ہو کر مراقبہ میں چلے گئے۔ آپ کے سینے سے ایک نور نکلا اور ان سب کے سینوں سے گذرا تو وہ سب بیقرار و بے چین ہو کر رونے لگے تو آپ نے مسند ارشاد سے اتر کر سب کو اپنے سینے سے لگا لیا تو وہ خاموش ہوگئے۔ لوگوں نے ان علماء سے رونے اور بے چینی کا سبب دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: ہم سیدنا عبدالقادر گیلانیؒ کو شرمندہ کرنے کی غرض حاضر ہوئے تھے یکلخت ہمارے قلوب سے سارے علوم سلب کر لئے گئے تو ہم بے چین وبے قرار ہو کر رونے لگے اور جب آپ نے اپنے سینے سے لگایا تو سارے علوم لوٹ کر آگئے۔ (بہجۃ الاسرار، قلائد الجواہر)

غوثِ پاکؒ ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں، آپ کے سلسلہ میں داخل ہو کر لاکھوں لوگ ایمان کی حلاوت سے آشنا ہوئے اور لاکھوں غیر مسلم اسلام میں داخل ہوئے۔ آج بھی سارے عالم میں آپ کا فیض جاری وساری ہے۔

۹۰/ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے دنیائے بقاء کی طرف ۱۱ ربیع الثانی بروز پیر ۵۶۱ھ رحلت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حلاوتِ ایمانی عطا فرمائے اور اولیاء کرام کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔ (آمین) بجاہ سید المرسلینؐ۔

☆☆☆

راہِ حق کی تلاش میں، ہالینڈ کے ایک نومسلم 'ولڈیمن' کی کہانی

مجھ سے بیشتر لوگ سوال کرتے ہیں کہ آپ نے اسلام کیوں قبول کیا؟ مجھے اس وقت اور بھی حیرت ہوتی ہے جب مسلمان بھائی بھی یہ سوال کرتے ہیں۔ عام طور پر میرا جواب ہوا کرتا ہے کہ یہ واحد سچا مذہب ہے۔ مجھے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس میں بال بال بچنے کے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا۔ مجھے کوئی ایسی روشنی یا نور بھی نہیں دکھائی دیا جس کی وجہ سے میں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ حتی کہ مجھے پوری طرح اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ میں نے کب مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ کچھ لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ابتدا میں مجھے نہ خدا پر یقین تھا، نہ زندگی کا کوئی خاص مقصد میرے پیش نظر تھا۔ مجھے تاریخ، فلسفہ اور سوشیالوجی کے موضوع پر کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ اسی شوق کی تسکین کے لئے میں مختلف بک اسٹورز سے کتب خریدا کرتا تھا۔

یہ کوئی 2003ء یا 2004ء کی بات ہے۔ ایک روز میں ایک بک اسٹور میں داخل ہوا تو مجھے ایک سبز رنگ کی کتاب نظر آئی جس کا نام Islam: Values, Principles and Reality (اسلام: اقدار، اصول اور حقیقت) تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور مجھے خیال آیا کہ اگرچہ میں کچھ مسلمانوں کو جانتا ہوں لیکن اسلام اور اس کے عقائد کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اس کتاب کو خرید لیا تاکہ میں یہ جان سکوں کہ اسلام کیا ہے؟ اس وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کتاب کو خرید کر میں تقریباً چار سال پر مبنی اس سفر کا آغاز کر رہا ہوں جو بالآخر میرے قبول اسلام پر جاکر ختم ہوگا۔

اس کتاب کے مطالعے سے پہلی مرتبہ میرے ذہن میں اسلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ختم ہوئیں۔ مثال کے طور پر مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ [illegible] مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ مسلمان مکہ میں ایک چوکور پتھر (یعنی خانہ کعبہ) کی عبادت کرتے ہیں، [illegible] اسی طرح میں یہ سمجھتا تھا کہ مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں کو برداشت نہیں کرتے۔ [illegible] ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر میں نے کتاب کا مطالعہ شروع کیا۔

پہلی کتاب کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کتاب میں پڑھتا چلا گیا۔ چند برسوں کے مطالعے کے بعد مجھے یہ پتا چلا کہ ہر وہ بات جسے میں اسلام کا حصہ سمجھتا تھا اور جس کی مخالفت کرتا تھا، درحقیقت اسلام بھی اس کی مخالفت کرتا ہے۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت محمد ﷺ کے نزدیک ایک اچھا مسلمان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ مجسموں اور اس نوعیت کی چیزوں کی عبادت کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ اسلامی تہذیب اپنی پوری تاریخ میں مذہبی برداشت کی کرۂ ارض پر بہترین مثال ہے۔ میں اسلامی تعلیمات اور اسلام کے اُن بنیادی اصولوں کو جان گیا جن سے اسلام کا مطالعہ کرنے سے قبل بھی مجھے اتفاق تھا۔ مطالعے کے دوران میں یہ راز منکشف ہوا کہ بہت سے موضوعات پر میرا نقطۂ نظر اسلام کے نقطۂ نظر کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے متعلق میری معلومات کا بڑا ذریعہ کتابیں ہی تھیں۔

میرے گرد و نواح میں کوئی ایسی دعوتی سرگرمیاں نہ تھیں جو میرے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوتیں، اور نہ میرے رابطے میں ایسے لوگ تھے جو دعوت کا کام موثر انداز میں کرسکیں۔ [illegible] اس سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ہالینڈ میں دعوت کا کام کس حد تک منظم ہے۔

پھر رمضان المبارک آیا تو میں نے سوچا کہ میں بھی روزہ رکھ کر دیکھوں۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کسی کتاب کے مطالعے سے اس کیفیت کا اندازہ نہیں ہوتا جو روزہ رکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے مسلمان دوستوں سے تذکرہ کیا کہ

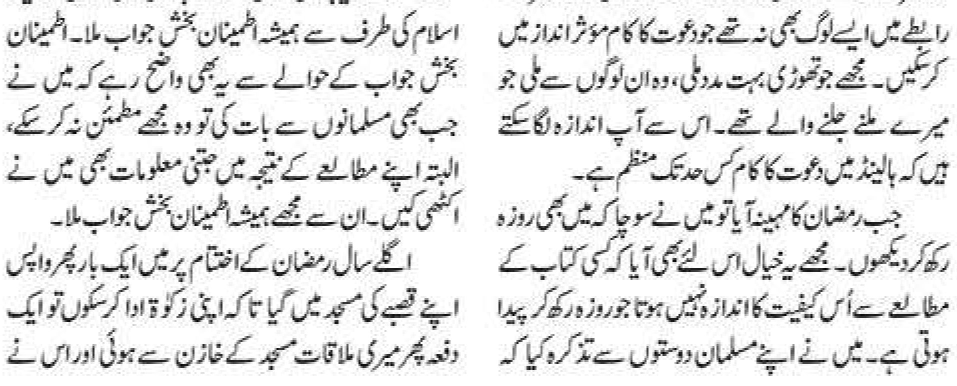

میں بھی ان کے ساتھ روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ حاصل کیا اور انٹرنیٹ سے 30 دن میں قرآن پاک کے مطالعے کا پروگرام بھی حاصل کرلیا۔ جب میں نے ان کو بتایا کہ میں مکمل قرآن مجید کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں اور رمضان کے بعد شوال کے روزے بھی رکھوں گا تو [illegible] سحری اور افطاری [illegible] روزہ کھولتے [illegible] مجھے روزہ رکھنے کا ایک منفرد تجربہ ہوا۔ [illegible] اور اس طرح پورا مہینہ میں نے قرآن کا مطالعہ جاری رکھا۔ [illegible] اسی طرح میری زندگی کی پہلی عید بھی آئی۔ رمضان کے بعد میں اپنی زکوۃ ادا کرنے کے لئے اپنے قصبے کی مسجد میں گیا۔ میرے نزدیک کسی اچھے کام کے لئے رقم خرچ کرنا، ایک صحیح بات تھی، اس لئے مسلمان نہ ہونے کے باوجود زکوۃ ادا نہ کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہ تھی۔ میں مسجد کے خازن سے ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں؟ میں نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں، البتہ میں نے رمضان میں روزے بھی رکھے ہیں اور اب زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کے لئے جلدی نہ کریں بلکہ اپنا اطمینان کرنے کے بعد اسلام قبول کریں۔

اس کے بعد کئی ماہ گزر گئے اور میں اسلام پر مطالعہ کرتا رہا۔ بیش تر کتب جو میرے زیر مطالعہ رہیں وہ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تھیں، مثلاً کرن آرمسٹرانگ، میں نے کچھ وقت اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کے مطالعے پر بھی لگایا۔ میں نے مذہبی بنیادوں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی اور تہذیبوں کے تصادم جیسے موضوعات پر بھی مطالعہ کیا اور اسی طرح دیگر موضوعات بھی زیر مطالعہ رہے۔ اس تمام تر مطالعے کے نتیجے میں، میں نے جب بھی کوئی سوال اٹھایا تو اسلام کی طرف سے ہمیشہ اطمینان بخش جواب ملا۔ [illegible] اکٹھی کیں۔ اس سے مجھے ہمیشہ اطمینان بخش جواب ملا۔

اگلے سال رمضان کے اختتام سے پہلے میں ایک بار پھر واپس اپنے قصبے کی مسجد میں گیا تا کہ اپنی زکوۃ ادا کرسکوں تو ایک دفعہ پھر میری ملاقات مسجد کے خازن سے ہوئی اور اس نے مجھے پہچان لیا اور مجھ سے دوبارہ پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوگیا ہوں؟ میں نے کہا کہ نہیں، اور آپ ہی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ یوں جلد بازی نہ کروں۔ اس نے کہا کہ ہاں، [illegible]

بطور غیر مسلم یہ میرا آخری سال تھا۔ اس سے قبل میں نے شراب پینا چھوڑ دی تھی۔ [illegible]

ایک بار میں نے ترکی کا سفر کیا [illegible]

[illegible] مطالعہ کرتا رہا، تاہم اب میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال بھی شروع کردیا۔

ہالینڈ کی سماجی امور سے متعلق ایک معروف ویب سائٹ ہائیوز (Hyves) ہے جس کے ذریعہ میرا ایک ڈچ نومسلم خاتون سے رابطہ ہوا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں مسلمان ہوں تو میں نے اسے بتایا کہ میں ابھی تک مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اس کے گھر آؤں اور اس کے شوہر سے ملوں جو کہ پیدائشی طور پر مسلمان ہے۔ اسلام پر عمل پیرا بھی ہے اور مصر میں پیدا ہوا تھا۔

میں ان کے گھر گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر اسلام کے بارے میں بات چیت بھی کی۔ جب دوسری مرتبہ میں ان سے ملاقات کے لئے گیا تو [illegible] کے ساتھ نماز ادا کرنا سیکھا۔ [illegible] کیا میں واقعی اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا: ہاں، اس کے لئے تیار ہوں۔

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہوچکا ہوں، اگرچہ میں نے ابھی باضابطہ طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ [illegible] جنہوں نے میرے لئے اس کی تکمیل کی۔ [illegible]

میرا قبول اسلام کا سفر مطالعہ کتب کے ذریعے طے پایا۔ میں نے اسلام کے نظریے سے متاثر ہوکر اسے قبول کیا۔ [illegible]

قبول اسلام کے بعد میں اپنے قصبے کی مسجد میں واپس گیا۔ جب میں مسجد گیا تو وہاں مجھے وہی خازن ملا جس سے میری اس سے قبل ملاقات ہوئی تھی۔ اسی نے مجھ سے ایک دفعہ پھر پوچھا کہ کیا آپ مسلمان ہوچکے ہیں؟ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: جی ہاں، میں مسلمان ہوچکا ہوں اور میرا نام نوردین ہے۔ اس نے فوراً الحمدللہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ تلاش حق کے ایک طویل سفر کے بعد بالآخر آپ دین حق کی نعمت سے سرفراز ہوگئے!

نوردین ولڈیمن ہالینڈ کی ایک تنظیم "اوتھڈک اسلام فاؤنڈیشن" سے وابستہ ہیں اور دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆

آپ کے شرعی مسائل؟!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دنیا سے رُخصت ہوتے وقت کلمہ طیبہ

سوال:- اکثر علماء اور احادیث کی کتب میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی دنیا سے رُخصت ہوتے وقت "لا الٰہ الا اللہ" پڑھے گا، وہ جنت میں جائے گا؛ لیکن اس کے بعد (محمد رسول اللہ) کا نام نہیں جوڑا جاتا، کیا آپ کے آخری رسول ہونے اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہونے کی شہادت کی حاجت نہیں ہے؟ جب کہ قبر کے سوالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سوال ہوگا کہ کون ہیں؟ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاص دُعا کی خواہش کی تھی تو آپ کو "لا الہ الا اللہ" پڑھنے کی تاکید کی گئی تھی، وہ خود چوں کہ رسول تھے، ان کو اپنی گواہی کے لئے نہ کہا گیا ہوگا؛ لیکن ہم تو عام آدمی ہیں اور کیا ایسی صورت میں ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ معاملہ جنت میں جانے کا ہے؛ اس لئے آپ سے خواہش ہے کہ آپ بتائیں ہم کو کیا پڑھنا چاہئے؟ (محمد شرف الدین، بشیر باغ)

جواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے، وہ جنت میں داخل ہوگا، "من قال لا الٰہ الا اللّٰہ ... دخل الجنۃ" (بخاری، باب الثیاب البیض، حدیث نمبر: ۵۴۸۹) لیکن یہاں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو بھی شامل ہے اور پورا کلمہ طیبہ پڑھنا مراد ہے، لا الٰہ الا اللہ کا فقرہ بطور عنوان کے ہے، جیسے کہا جاتا ہے نماز میں بحالت قیام "الحمد" پڑھنا ہے، یا قعدہ میں "التحیات" پڑھنا ہے، تو اس کا مقصد صرف الحمد یا التحیات پڑھنا نہیں ہے؛ بلکہ پوری سورہ فاتحہ اور پورا تشہد پڑھنا مراد ہے، اسی طرح اس حدیث میں لا الٰہ الا اللہ سے پورا کلمہ طیبہ پڑھنا مراد ہے، مشہور محدث علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے شرح بخاری میں اس پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ (دیکھئے: فیض الباری، باب الحیاء من الایمان: ۱/۷۸)

سوکھے ہوئے زخم کی تہہ کے اکھڑ جانے پر وضو کا حکم

سوال:- عام طور پر جب زخم سوکھتا ہے تو ایک خشک تہہ چمڑے کے اوپر جم جاتی ہے، جو آہستہ آہستہ بار بار جسم کو دھونے یا اس کو اکھاڑنے سے نکل جاتی ہے، اگر وضو کرنے کے بعد اس کو اکھاڑ دیا جائے تو کیا دوبارہ وضو کرنا ہوگا یا اس حصہ کو دھونا ضروری ہوگا (عبدالرزاق، پٹیل مارکیٹ)

جواب:- وضوء اس وقت واجب ہوتا ہے، جب جسم کے اندر سے کوئی ناپاک چیز جسم کے باہر آجائے، خواہ فطری طور پر بنے ہوئے راستہ سے آئے یا چمڑے کے پھٹ جانے کی وجہ سے آئے، جیسے خون نکل کر بہہ جائے؛ اس لئے اگر زخم کے بعد اس کا جما ہوا سوکھا حصہ باہر نکال لیا جائے یا خود اکھڑ جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا اور نہ اس کو دوبارہ دھونے کی ضرورت ہوگی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے: كالدملة وعليه جلدة رقيقة۔ ثم نزعها، لا يلزمه اعادة غسل على ما تحتها (درمختار: ۱/۲۱۷)

خواص کے لیے پہلے خصوصی دسترخوان

سوال:- اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ تقریبات میں علماء، مرشدین اور رہنماؤں کے دسترخوان علاحدہ ہوتے ہیں ان کا کھانا بھی بہتر ہوتا ہے اور وہ کھانے سے پہلے فارغ ہوجاتے ہیں، اور عام مہمان انتظار کرتے رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (محی الدین، ملک پیٹ)

جواب:- کھانا میزبان کی ملکیت ہے؛ اس لیے اسے یہ حق حاصل ہے کہ بعض مہمانوں کے لیے زیادہ معیاری کھانے کا نظم کرے اور بعض کے لیے کم، اور کچھ لوگوں کو اپنی یا ان کی مصلحت سے پہلے کھلائے اور کچھ کو بعد میں، اس میں کچھ حرج نہیں۔

اگر کتے دامن پکڑلیں؟

سوال:- ہم لوگوں کو جس گلی سے گذر کر مسجد میں جانا پڑتا ہے، اس میں کتے بہت ہیں، بعض دفعہ دامن کو پکڑ لیتے ہیں، کیا اس سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا اور کیا ایسی صورت میں ہمیں مسجد جاکر پہلے دامن کو دھونا ضروری ہوگا؟ (عبداللطیف، کریم نگر)

جواب:- کتے کا جھوٹا اور اس کا لعاب ناپاک ہے، اور جب کتا کپڑے کو پکڑے تو غالب گمان یہی ہے کہ لعاب بھی لگے گا، اس سلسلہ میں فقہاء نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ کتا اگر غصہ سے دامن پکڑے تو دامن ناپاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ غصہ کی حالت میں وہ دانتوں سے پکڑتا ہے اور اس کے منہ کی رطوبت کپڑے کو نہیں لگتی، اور اگر غصہ سے نہ پکڑے تو کپڑا ناپاک ہوجائے گا؛ کیوں کہ ایسی صورت میں کتے منہ سے پکڑتے ہیں، اور منہ کی رطوبت لگ جاتی ہے: الكلب إذا أخذ بالغضب ثوب إنسان لا يجب غسله؛ لأنه يأخذه بسنه فلا تصل رطوبة فمه، وإن لا على وجه الغضب يجب؛ لوصول رطوبة لعابه (بزازیہ: ۴/۲۴) بہر حال یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ کب اس کا لعاب لگتا ہے اور کب نہیں لگتا؟ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ اگر کتا دامن پکڑے تو اس حصہ کو دھولیا جائے،- جہاں تک نماز کی بات ہے تو رطوبت ہتھیلی کی گہرائی کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تب تو اس کپڑے میں نماز درست نہیں ہوگی، اور اگر اس سے کم مقدار میں ہو تو گو اتنا حصہ ناپاک ہوگا؛ لیکن نماز درست ہوجائے گی؛ کیوں کہ اتنی کم مقدار کے ساتھ نماز ہوجاتی ہے۔

نومولود کا بال کب مونڈا جائے؟

سوال:- نومولود کا بال کتنے دنوں کے بعد مونڈا یا جاسکتا ہے؟ بعض بچے بہت کمزور ہوتے ہیں، ان کے سر کی کھوپڑی بہت نرم ہوتی ہے؛ اس لئے ڈاکٹر دیر سے بال مونڈانے کو کہتے ہیں، ایسی صورت میں اگر بال مونڈانے میں مہینہ دو مہینہ کی تاخیر ہوجائے تو کیا اس میں کچھ حرج ہے؟ (محمد کامل حسین، شادنگر)

جواب:- اصل میں بال کا ساتویں دن مونڈ دینا مسنون ہے، حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ گویا اپنے عقیقہ کے بدلے گروی رہتا ہے، یہاں تک کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کردیا جائے، اس کا نام رکھ دیا جائے اور اس کا بال مونڈ دیا جائے: كل غلام مرتهن بعقيقته، تذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه (ترمذی، حدیث نمبر: ۱۵۲۲)؛ البتہ یہ حکم استحباب کے درجہ میں ہے، ساتویں ہی دن کاٹنا ضروری نہیں، اگر ساتویں دن بال کاٹنے میں بچہ کی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے؛ کیوں کہ صحت کی حفاظت واجب ہے اور ساتویں دن بال مونڈانا مستحب ہے اور واجب مستحب پر مقدم ہے۔

وقف کا بے محل استعمال

سوال:- مسجد کے لئے وقف شدہ جائیداد سے جو آمدنی ہوتی ہے، کیا واقفین جائیداد کے منشا کے خلاف اس کو مسجد کی انتظامی کمیٹی استعمال کرسکتی ہے؟ واقفین جائیداد نے اس وقت دستور العمل میں یہ صاف صراحت کردی تھی کہ جائیداد سے جو بھی آمدنی ہو اس کا چوتھائی حصہ عملہ کے مشاہرہ کے لئے اور ما بقیہ تین چوتھائی حصہ دینی تعلیم پر خرچ کیا جائے، اب موجودہ کمیٹی دینی تعلیم پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کررہی ہے، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟ (افضال حسین، دلسکھ نگر)

جواب:- وقف کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کی آمدنی کو خرچ کرنے میں وقف کرنے والے کے منشاء کی پوری رعایت کی جائے، جب وقف کرنے والے نے آمدنی کا تین چوتھائی حصہ دینی تعلیم کے لئے مخصوص کردیا تھا، تو اب ضروری ہے کہ اتنی مقدار اسی مد میں خرچ کی جائے، خواہ مسجد کے تحت مکتب قائم کردیا جائے اور اس میں یہ رقم صرف کی جائے، یا دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو اس سے وظیفہ دیا جائے؛ لیکن یہ درست نہیں ہے کہ دینی تعلیم پر وقف کی جانے والی رقم ان خدام مسجد پر خرچ کی جائے، جن سے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری متعلق نہیں ہے: لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به (الاشباہ والنظائر: ۲۷۵)؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر کبھی دینی تعلیم والے مد میں زیادہ پیسے ہوں اور مسجد کی مد میں کم تو ضروریات مسجد کی مد میں دوسری مد سے قرض کے طور پر رقم لے لی جائے اور بعد میں مسجد کی مد سے یہ رقم ادا کردی جائے۔

خرید وفروخت میں بعد کو سودے کی تعیین

سوال:- تجارت کو فروغ دینے کے لئے آج کل مختلف طریقے اختیار کئے جارہے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی معیار کے کئی سامان رکھے ہوتے ہیں، ان کی یکساں قیمت متعین ہوتی ہے، خریدار بل ادا کردیتا ہے، اس وقت وہ شے متعین نہیں ہوتی، جس کو خرید کرنا ہے، خریدار دوکان میں جاکر ان میں سے کوئی بھی ایک چیز اٹھالیتا ہے، اسی طرح آج کل ہوٹلوں میں "بفے سسٹم" کا رواج ہوا ہے کہ آپ ایک رقم ادا کرکے ہوٹل کے اندر جائیں، جہاں مختلف قسم کے کھانے لگے ہوتے ہیں، آپ حسب خواہش ان میں سے کھاسکتے ہیں، یعنی خرید وفروخت کا معاملہ طے پاتے وقت یہ بات متعین نہیں ہوپاتی کہ کون سامان اور بعض صورتوں میں اس کی کتنی مقدار فروخت کی جارہی ہے؟

(نقی احمد، ہمایوں نگر)

جواب:- خرید وفروخت کا اصل طریقہ تو یہی ہے کہ معاملہ طے ہوتے وقت قیمت اور فروخت کی جانے والی شئ اچھی طرح متعین ہوجائے؛ لیکن اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ بیچنے والا چند چیزوں کی نشان دہی کرتے ہوئے کہے کہ مثلاً ان میں سے ہر مال پچاس روپے میں ہے، اور خریدار بعد میں اس کو متعین کرے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خیار تعیین" کہتے ہیں: صح خيار التعيين في القيميات لا في المثليات ... وہو أن يبيع أحد العبدين أو الثلاثة أو أحد الثوبين أو الثلاثة على أن يأخذ المشتري واحدا (ہندیہ: ۳/۵۴)؛ اس لئے جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ جائز ہیں، یہ بات کہ "خرید وفروخت کے معاملے میں قیمت اور اس کے مقابل بیچی جانے والی شئ متعین ہو"، حدیث میں بہت تفصیل ووضاحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں آیا ہے؛ کیوں کہ وقت و حالات اور عرف ورواج کی تبدیلی کی بنا پر معاملات کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں، فقہاء نے یہ احکام شریعت کے اس منشا کو سامنے رکھ کر متعین کئے ہیں کہ ایسا ابہام نہ رہے، جو گاہک اور تاجر کے درمیان نزاع کا سبب بن جائے؛ کیوں کہ نزاع بہر حال بری چیز ہے، جو صورتیں آپ نے ذکر کی ہیں، یہ اب عام طور پر مروج ہیں، اور باہمی نزاع کا باعث نہیں بنتی ہیں، اس لئے خرید وفروخت کی یہ صورتیں جائز ہیں۔

☆☆☆

مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری

اس ذاتِ محمدؐ پر سو جان سے قرباں ہوں

سرور کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے اظہار محبت پر اعتراض کیا گیا اور محبت رسول ﷺ کا بیانر ہٹایا گیا، ایک بیانر کو ہٹایا گیا پورا ملک محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کے نعروں سے گونج اٹھا، ہر قریہ، بستی، ہر گلی اور نگر "آئی لو محمد ﷺ" کی صدائیں بلند ہوگئیں، سینوں میں دبی چنگاری بھڑک اٹھی، خواب غفلت میں سویا ہوا مسلمان بیدار ہوگیا، حمیت اسلامی سے لبریز اور محبت رسول ﷺ سے سرشار نوجوان سڑکوں پر اپنے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اظہار کے لئے کھڑے ہوگیا، سوشل میڈیا "آئی لو محمد ﷺ" کے خوبصورت وحسین اظہار سے تنگ دامنی کا شکوہ کررہا ہے۔ جس طرف نظر دوڑایئے محمد ﷺ کی محبت میں دیوانے نظر آرہے ہیں، چھوٹے، بڑے ہر کوئی اپنی سعادت اور خوش نصیبی تصور کرتے ہوئے اظہار محبت میں لگا ہوئے ہیں، اور یہی محبت ایک مومن کی زندگی کی متاع بیش بہا ہے۔ اسے اپنے نبی سرور کائنات سیدنا محمد رسول ﷺ سے بے پناہ محبت ہے، دل کی گہرائیوں میں نبی پاک ﷺ کی محبت پیوست ہے۔ وہ اپنے نبی ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے، اور ان کی حرمت پر مرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

ایک مسلمان کے لئے سرور کونین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک ذات دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ محبت رسول ﷺ ایمان والوں کے لئے سرمایۂ حیات ہے، اسی سے زندگی میں سکون وقرار حاصل ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب:۶) "ایمان والوں کے لئے یہ نبی اُن کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔"

نبی کریم ﷺ سے محبت میں کمی اور محبت سے محرومی دوجہاں کے خسارہ کا سبب ہے، اسی لئے قرآن کریم میں نبی ﷺ سے محبت میں کمی ہوگی تو بڑی سخت وعید بیان کی گئی۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبہ:۲۴) (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان، اور وہ مال ودولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا۔" مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: الفاظ آیت کا عموم تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس درجہ ہونا لازم ہے وہ واجب ہے کہ دوسرا کوئی تعلق اور محبت اس پر غالب نہ آئے، اور جس نے اس درجے کی محبت پیدا نہ کی وہ مستحق عذاب ہوگیا، اس کو عذاب الٰہی کا منتظر رہنا چاہیے۔ روایات حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ایمان کی تکمیل اس پر موقوف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو، اور انسان کی دوستی دشمنی، دینا یا نہ دینا سب حکم خدا اور رسول ﷺ کی تابع ہو۔ (معارف القرآن: ۴/۳۴۰)

نبی ﷺ کا مشہور ارشاد گرامی ہے: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ والناس اجمعين۔ (صحیح بخاری:۱۴) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اسے اس کے والد اور اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

اس روئے زمین پر حضرات صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے بے پناہ محبت کرکے دکھائی، تعظیم وادب کے سارے تقاضوں کو انھوں نے پورا کیا، اور قیامت تک آنے والی انسانیت کو بتایا کہ نبی ﷺ کی ذات کس طرح جان ومال، اہل وعیال سے زیادہ عزیز ہے۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جو آج بھی ہمارے ایمان میں تازگی پیدا کردیتے ہیں اور رگوں میں محبت کا لہو دوڑا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری دنیا میں سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو، نیک بیوی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے! نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کرنے والے صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! مجھے تین چیزیں پسند ہیں: آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھنا، آپ ﷺ کے حکم پر مال خرچ کرنا، اور یہ کہ میری بیٹی آپ ﷺ کے نکاح میں رہے۔ (عشق رسول:93) ایک موقع پر حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جارہے تھے، آپ ﷺ حضرت عمر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اسی دوران حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی جان کے علاوہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ سے محبت ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! تم کیا کہتے ہو؟ اگر بات ایسی ہی ہے تو تم ابھی کامل ایمان والے نہیں ہوئے، اور نبی کریم ﷺ نے قسم کھاکر فرمایا کہ: تم پر لازم ہے کہ میری ذات تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو، اس کے بغیر تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ جب حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اب آپ کی ذات میری جان سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر تمہارا ایمان اب مکمل ہوا۔ (بخاری:6170) حضرت زید بن دثنہؓ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، جب ان کو قتل کرنے کے لئے لے جانے لگے اس وقت ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ اے زید! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ سچ بتاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم اپنے بیوی بچوں کے پاس رہو اور تمہاری جگہ تمہارے نبی ہو؟ حضرت زیدؓ نے تڑپ کر کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے گھر والوں میں رہوں اور میرے آقا ﷺ کو کانٹا چبھے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی سے اتنی محبت کی جاتی ہو جتنا مسلمان اپنے رسول ﷺ سے کرتے ہیں۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ: 135/2) یہ دو تین واقعات صرف نمونہ کے لئے ہیں، ورنہ حضرات صحابہ کرامؓ کی تاریخ اور سیرت اس طرح کے ان گنت واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ عجیب وغریب ان کو نبی کریم ﷺ سے محبت تھی، اور ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ترین چیز رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک تھیں۔

یہ تو حضرات صحابہ کرامؓ کے دو تین واقعات تھے، اگر ماضی قریب کی تاریخ دیکھیں تو بھی ایسے بہت سے واقعات ہیں جو ہمارے سرد لہو کو گرمادینے اور ہمارے جوش ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں، چناں چہ لکھا ہے کہ: سلطان محمود پر اپنے تقویٰ اور کسر نفسی کی وجہ سے حب رسول ﷺ کا بڑا غلبہ رہا۔ وہ اپنی زبان پر رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک لانے میں حد درجہ احترام کرتا۔ ان کے ایک مصاحب کا نام "محمد" تھا، وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا، وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کرکے گھر چلا گیا تو تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر نہ ہوا، سلطان نے جب اس کو بلا بھیجا اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ تو اس نے عرض کیا کہ: آپ مجھے ہمیشہ محمد نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلاف عادت مجھے تاج الدین کہہ کر پکارا گیا تو میں سمجھا کہ مجھ سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے، اس لئے اپنی صورت نہیں دکھائی اور تین روز میں نے بڑی بے چینی اور بے قراری سے گزارے، سلطان نے اس کو یہ کہہ کر اطمینان دلایا کہ میں تم سے بدگمان نہیں ہوں لیکن جب میں نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا اس وقت میں باوضو نہیں تھا، مجھے شرم آئی کہ "محمد ﷺ" کا نام بے وضو لوں۔ (تاریخ فرشتہ: 1/74 بحوالہ خزینہ: 170)

معروف شاعر اختر شیرانی کے بارے میں مولانا ابن الحسن عباسیؒ نے لکھا ہے: "لاہور کے عرب ہوٹل میں ایک دفعہ کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی۔ اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتی کے الفاظ بھی ٹوٹ کر ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے، ادھر "انا" کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ (مختلف سوالات وجوابات ہوتے رہے)۔ اس لڑکھڑائی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھاکر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا کہ، آپ کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اللہ اللہ، ایک شرابی جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا، "بدبخت! ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے!، ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا، گھگی بندھ گئی، "ایسی حالت میں تم نے یہ نام کیوں لیا، تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب "باخدا دیوانہ باش، وبامحمد ہوشیار" اس شریر سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں، خود قہر وغضب کی تصویر ہوگئے، اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن سے لہو نہیں، اس نے بات موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسے اٹھوایا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے، تمام رات روتے رہے، کہتے تھے "یہ لوگ اتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہ گار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنادینا چاہتے ہیں۔ (کتابوں کی درس گاہ میں: ۳۲)

اگر کوئی ہمیں ہمارے نبی ﷺ سے محبت کے اظہار میں روکاٹ ڈالنا چاہے تو ہم سراپا احتجاج بن جائیں گے اور ہر ممکن اپنے پیارے نبی ﷺ سے محبت کا ٹوٹ کر اظہار کریں گے۔ لیکن نہایت قابل غور اور لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ وقتی اظہار اور وقتی جذبات کے بعد خاموش نہیں ہونا چاہیے بلکہ محبت رسول ﷺ کی جو لہر ہمارے جسم میں دوڑی ہے اس کوئی حیات دی جائے، اپنے رشتۂ الفت کا احساس جو بیدار ہوا ہے اس کو دوام بخشا جائے، اپنی غلامی کا جذبہ جو ابھرا ہے اس کو تقویت دی جائے، اور نبی پاک ﷺ کی سیرت وتعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا ایک نیا عزم وارادہ بھی کرنا چاہیے۔ ہم دشمن کو اسی وقت ناکام ونامراد کرسکتے ہیں جب ہم سیرت رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھلنے اور تعلیمات رسول کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ ایسے موقع پر ہم ارادہ کریں کہ جس محسن نبی ﷺ کے احسانات ساری انسانیت پر ہیں اور کوئی ان کے احسانات کا بدلہ چکا بھی نہیں سکتا، بس ہم ان کی شریعت اور سیرت کو اپنا کر ان کے سچے غلاموں میں شامل ہوسکتے ہیں، یہی ہماری سعادت اور ہماری کامیابی کی معراج ہے کہ ہم ان کے غلاموں میں شامل ہوجائیں، ان کے حقیقی فداکار وجاں نثار بن جائیں، ان کا طریقہ اور طرز زندگی ہمارا شعار بن جائے، ان کا اسوہ ونمونہ ہماری پہچان بن جائے۔ اس لئے احتجاج وغیرہ کے ساتھ اس کا بھی عزم کریں کہ سیرت پر چلیں گے اور دنیا کو رسول پاک ﷺ کے نقش قدم پر چلانے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

بقیہ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اظہار محبت

محبت کرنا ہر ایک کا حق ہے؛ مگر افسوس کہ اس وقت حضور ﷺ سے محبت کے نعرے پر مسلمانوں کو ظلم وجور کا نشانہ بنایا جارہا ہے، ہمارے برادران وطن جے شری رام، ہر ہر مہادیو کا نعرہ لگاتے ہیں، مسلمانوں نے نہ کبھی اس پر اعتراض کیا اور نہ کرنا چاہئے، یہ اُن کا حق ہے، یہ اُن کی طرف سے اپنے جذبات کا اظہار ہے؛ اس لئے اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ سے اظہار محبت کا کوئی فقرہ کہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس پر اعتراض کیا جائے، یا اس کو ملزم ٹھہرایا جائے، یہ قطعاً ناقابل قبول ہے، اور یہ ہمارے ملک کے دستور اور یہاں کی تہذیبی روایات کے خلاف ہے؛ البتہ مسلمانوں کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اظہار محبت کا اصل طریقہ عمل ہے نہ کہ پوسٹر اور بینر جو بعض اوقات لوگوں کے قدموں میں آجاتے ہیں، قرآن مجید نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی تعلیم دی ہے، صحابہ نے جہاں ضرورت پڑی آپ کے لائے ہوئے دین کے لئے قربانیاں دی ہیں، یہ اظہار محبت کا صحیح طریقہ ہے اور ہمیں بنیادی طور پر یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ ☆

شمائل نبوی ﷺ: ذکر ورفعت اور شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن کریم کی حسین پیرائے میں

مولانا حافظ محمد آصف عرفان قادری
(ایڈیٹر ماہنامہ عرفان انوار)

(۴)

رسول کریم ﷺ کی صفات وکمالات کا مکمل بیان کرنا تو کسی انسان کے بس میں نہیں، لیکن اس میں کسی بھی درجہ کی کوشش کرنا انتہائی خوش بختی کی علامت اور دنیا وآخرت کی ایسی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو ہر لحہ، کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب سے اکمل، سب سے اجمل، سب سے اعلم، سب سے ارفع، سب سے اعلیٰ، سب سے انور، سب سے احسب، سب سے انسب، سب سے افصح اور سب سے افضل تیز زبان وبیان میں جس قدر الفاظ کسی مخلوق کی توصیف میں بیان کئے جاسکتے ہیں، جس قدر آج تک آپ ﷺ کی تعریف بیان کی گئی، جس قدر آج آپ ﷺ کی تعریف بیان کی جارہی ہے اور جس قدر قیامت تک آپ ﷺ کی تعریف بیان کی جائے گی، جس قدر آپ ﷺ کی توصیف میں لوگوں نے سوچا، جس قدر آج لوگ آپ ﷺ کی توصیف کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور جس قدر لوگ قیامت تک آپ ﷺ کی توصیف کے بارے میں سوچیں گے، جس قدر آپ ﷺ کی بڑائی لکھی گئی، جس قدر آپ ﷺ کی بڑائی لکھی جارہی ہے اور جس قدر آپ ﷺ کی بڑائی قیامت تک لکھی جائے گی۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات ان سب سے بہت زیادہ بلند وبالا ہے۔

عالم ارواح میں اعزاز واکرام: ابھی دنیا میں جلوہ گری بھی نہ ہوئی تھی کہ رسول کریم ﷺ کی مبارک روح کے سامنے سب روحوں سے عہد وپیمان لیا اور سب انبیاء ومرسلین کو پابند فرمایا کہ اگر یہ محبوب تمہارے درمیان آئیں تو انہی پر ایمان لانا ہوگا، انہی کی اطاعت ہوگی، انہی کا حکم چلے گا، انہی کی دعوت پر لبیک کہا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ

اور اے محبوب! وہ وقت یاد کریں جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ سب سے باعظمت رسول ﷺ تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کرلیا، فرمایا کہ تم گواہ ہوجاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ (سورۃ آل عمران:۸۱)

عالم دنیا میں اعزاز واکرام: ساری انسانیت کو اپنا کردار، گفتار، انداز، رہن سہن سنوارنے اور زندگی کا ہر ہر قدم اٹھانے کے لئے اپنے حبیب کی زندگانی کو نمونہ قرار دیا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے ذریعے واضح فرمادیا کہ زندگی کا بہترین راستہ اور طریقہ وہی ہے جو اس کے پیارے حبیب ﷺ کا ہے۔ (سورۃ احزاب:۲۱) بندوں کو واضح فرمادیا کہ اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول کریم ﷺ کی اتباع ہی واحد راستہ ہے اور جب اس راہ پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت فرمائے گا۔ (سورۃ آل عمران:۳۱)

محبوب کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ ہی کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ (سورۃ النساء:۸۰)

نبی ﷺ کا فعل خدا کی جانب منسوب: اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے فعل کو اپنی جانب منسوب فرمایا۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَ لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اے سپاہیان لشکر اسلام!) ان (جارح) کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا اور اے حبیب محتشم! جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے، اور یہ اس لئے کہ وہ اہل ایمان کو اپنی طرف سے اچھے انعامات سے نوازے، بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ (سورۃ الانفال:۱۷)

رسول کریم ﷺ کی خواہش پر قبلہ تبدیل:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ

اے حبیب! ہم بار بار آپ ﷺ کے رخ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ ﷺ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ انجام دے رہے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ:۱۴۴) تحویل قبلہ حالت نماز میں ہوا صحابہ کرامؓ جو رسول کریم ﷺ کے مقتدی تھے حالانکہ وہ مسجد اقصیٰ کی جانب رُخ کرکے نماز میں کھڑے تھے مگر حالت نماز میں رسول کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب کر دیا صحابہ کرامؓ نے بھی اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب کرلیا اس لئے کہ رسول ﷺ نے اپنا چہرہ پھیر لیا ہے جدھر نبی ادھر اپنے آپ کو پھیر لینا ایمان ہے نماز سے پہلے تو صحابہ کو یہ معلوم تھا کہ اقصیٰ ہمارا قبلہ ہے مگر دوران نماز نبی ﷺ کی جانب اپنے کو پھیر کر صحابہ نے بتایا کہ ہم تو صرف قبلہ جانتے ہیں خدا و رسول کی مرضی نہیں جانتے ان کے نزدیک قبلہ کا قبلہ بھی ذات محمد ﷺ ہے۔

آپ ﷺ کے فیصلوں کو قبول کرنا: اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے فیصلوں کو سر تسلیم خم کرنے کو ایمان کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پس اے حبیب ﷺ! آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور آپ کے حکم کو بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔ (سورۃ النساء:۶۵)

آپ ﷺ کا وجود عذاب سے راحت:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ اور در حقیقت بات یہ ہے کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیب مکرم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ اس سے مغفرت طلب کررہے ہوں۔ (سورۃ الانفال:۳۳) ان کے علاوہ بھی اَن گنت اعزازات ہیں کہ جن کی حد وشمار سمجھنے کے لئے علامہ یافعی کا یہ فرمان ہی کافی ہے: رسول کریم ﷺ کے اوصاف ومناقب اس قدر ہیں کہ اگر ساری مخلوق جمع ہوکر انہیں شمار کرے تو وہ جو شمار کریں گے وہ ان کے اوصاف کے سمندر کا ایک قطرہ ہوگا۔ (مراۃ الجنان:۱/۲۱)

عالم دنیا میں جان وعزت کی حفاظت کا اعزاز: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول ﷺ کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی عزت کی حفاظت فرمائی، محبوب کی عزت وناموس پر کوئی حرف نہ آئے اس کا اہتمام فرمایا۔ ایک لفظ کہ محبین محبت میں بولیں لیکن مخالفین ناقص معنی نکالیں، حق تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ کے اعزاز کے سبب یہ پسند نہ آیا اور محبین کو ایسا ذومعنی لفظ بولنے ہی سے منع فرمادیا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اے ایمان والو! رسول کریم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم فرمائیے) کہا کرو اور ان کا ارشاد بغور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۱۰۴) ہوا کچھ یوں کہ جب رسول کریم ﷺ تعلیم وتلقین فرماتے تو صحابۂ کرامؓ کبھی کبھی کسی بات کی مزید توضیح کے لئے "رَاعِنَا یارسول اللہ" کہتے، یعنی یارسول اللہ ﷺ! ہماری رعایت فرمائیے، یہودیوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر راعینا کہنا شروع کر دیا اور وہ رسول کریم ﷺ کے لئے بے ادبی والا معنی مراد لیتے۔ اللہ کریم نے اہل ایمان کو راعنا کہنے ہی سے منع فرمادیا تاکہ غلط معنی لینے کی بنیاد ہی باقی نہ رہے۔ (بیضاوی۔ پ ا البقرۃ تحت الآیۃ:۱۰۴، ۱/۳۷۵)

اپنے حبیب کو نام ہی ایسا دیا کہ کوئی نام لے کر مذمت کر ہی نہ سکے اور اگر کوئی کرے تو خود کو ہی جھوٹا بنائے۔ اہل قریش بغض و عناد کے سبب اس قدر حد سے بڑھ گئے تھے کہ جہاں موقع پاتے رسول کریم ﷺ کی مذمت کی ناکام کوشش کرتے، لیکن برائی کرنے میں آپ کا اسم گرامی محمد ﷺ نہ بولتے کیونکہ ان ہی میں سے کسی نے کہا تھا کہ ہم انہیں محمد ﷺ (یعنی تعریف کیا گیا) بھی کہتے ہیں اور مذمت بھی کرتے ہیں، آئندہ سے ہم مذمم کہہ کر مذمت کریں گے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھ سے قریش کی گالیوں، ان کے لعن کو پھیر دیا وہ تو مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ہم تو محمد ﷺ ہیں۔ (صحیح البخاری۔ ۲/۴۸۴، الرقم:۳۵۳۳)

رسول کریم ﷺ کے ذکر کی بلندی: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کے لئے بلند کردیا۔ (سورۃ الانشراح:۴) رسول کریم ﷺ کے ذکر کی یہ بلندی دنیا میں زمین وآسمان پر یوں ظاہر ہوئی کہ اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام مومنین ان پر دن رات درود وسلام بھیجتے ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ چوبیس گھنٹے گونجنے والی اذانوں میں رسول کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔ ذکر کو یوں بھی بلند کیا کہ کلمہ طیبہ میں اپنے باعظمت نام کے ساتھ اپنے محبوب ﷺ کا نام جوڑا اور قرآن کریم میں بھی کئی مقامات پر "اللہ اور اس کا رسول" کہہ کر آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر بلندی عطا کی۔ صرف اپنی ذات پر ایمان کو ادھورا اقرار دیا اور کسی کو بھی اپنے محبوب ﷺ پر ایمان لائے بغیر اپنی بارگاہ میں قبول نہ کیا۔ رسول کریم ﷺ کے ذکر کو آخرت میں اور بلند تر کرنے کے لئے بخشش کا تمام تر دارومدار ان کی شفاعت پر رکھا تاکہ وہ لوگ جو دنیا میں آپ ﷺ کی شان کے منکر تھے آج ان کی شان کی بلندی دیکھ لیں کہ اللہ جس کو بخش رہا ہے اُن کے وسیلے اور شفاعت سے بخش رہا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔" اپنے اس قول کا عملی ثبوت اللہ تعالیٰ روز قیامت یوں دے گا کہ اللہ کی رحمت یعنی رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے اُمتیوں کے گناہوں کی بخشش اللہ سے طلب فرما کر انہیں اللہ کے غیظ وغضب سے بچالیں گے اور یوں جو ذکر دنیا میں ہر دم بلندی کی طرف مائل رہا وہ روز آخرت اپنے عروج کی انتہاؤں کو چھولے گا یہاں تک کہ دنیا میں جو لوگ اس شان کو دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر تھے وہ بھی اپنی آنکھوں سے اس شان کو دیکھ لیں گے۔ رسول کریم ﷺ کے ذکر اور شان کو یہ بلندی اور عروج عطا فرمانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اے حبیب مکرم ﷺ! آپ کا رب عنقریب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ (سورۃ الضحیٰ:۵)

رسول کریم ﷺ صاحب مقام محمود: عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یقیناً اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (سورہ الاسراء:۷۹) رسول کریم ﷺ نفس مطمئنہ کے اس مقام پر ہیں جہاں اپنے لئے بندے کی کوئی بھی طلب نہیں رہتی پھر اللہ انہیں ایسا کیا عطا کرنے کا وعدہ کررہا ہے جس سے وہ راضی ہوجائیں۔ انہیں نہ دنیا کے خزانوں کی طلب ہے نہ جنت کے۔ نہ وہ اللہ کے ہاں بڑے مقامات کے طالب ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی انہیں اپنی ذات تک مکمل معراج عطا کر کے بلند ترین مقام پر فائز کرچکا۔ اب اگر ان کی کوئی طلب ہے تو صرف اپنی گنہگار اُمت کی بخشش کی طلب اور فکر ہے اور یقیناً اس آیت میں اللہ انہیں یہی عطا کرنے کا وعدہ فرمارہا ہے کہ آپ ﷺ کے وسیلے سے بخشش کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھوں گا جب تک آپ ﷺ راضی نہ ہوجائیں اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: اذاً واللہ لا ارضی و واحد من امتی فی النار۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک بھی اُمتی دوزخ میں ہو۔ (تفسیر قرطبی) امام رازیؒ آیت مبارکہ ولسوف یعطیک ربک فترضی کے تحت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اِنَّ ھٰذا ھو اشفاعۃ فی الامۃ بے شک یہ اُمت کے بارے میں شفاعت کا حق ہے۔ مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں صرف اور صرف آپ ﷺ ہی لائق تعریف مقام پر فائز ہوں گے، آپ ﷺ محمود ہوں گے اور تمام عالم زمین وآسمان چرند، پرند، انسان، فرشتے سب آپ ﷺ کی تعریف کریں گے۔ یہ مقام یقیناً مقام شفاعت ہے کیونکہ جب تک اللہ روز آخرت آپ ﷺ کو اس مقام پر فائز نہ فرمائے گا، تمام مخلوق پر آپ ﷺ کی شان ظاہر نہ ہو پائے گی اور وہ کفار ومنافقین جو آپ ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں انتہائی قربت وعظمت کے انکاری تھے، کس طرح آپ ﷺ کی عظمت کا اقرار کریں گے۔ اس دن جب شفاعت کا حق صرف آپ ﷺ کے پاس ہوگا تو آپ ﷺ کی تمام مخلوق پر فضیلت ظاہر ہوجائے گی۔

مقام محمود مقام شفاعت ہے: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً کے بارے میں فرمایا: (یا اس کے بارے میں سوال کے جواب میں فرمایا) کہ "وہ شفاعت ہے۔ (جامع ترمذی) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: بے شک لوگ روز قیامت چلیں گے، ہر اُمت اپنے نبی کو تلاش کرے گی وہ کہہ رہے ہوں گے "اے فلاں تو ہماری شفاعت کر" یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا رسول کریم ﷺ پر ہوگی۔ پس یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ رسول کو مقام محمود عطا کرے گا۔ (صحیح بخاری) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "آپ ﷺ کے رب کا آپ ﷺ کو مقام محمود پر کھڑا کرنا مقام شفاعت ہے جس جگہ اولین و آخرین آپ ﷺ کے لئے محو ثنا ہوں گے۔ (تفسیر ابن عباس) امام خازنؒ فرماتے ہیں: اور مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے کیونکہ اس مقام پر اولین وآخرین آپ ﷺ کی تعریف کریں گے۔ (تفسیر خازن) امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: "مقام محمود وہ مقام ہے جس جگہ اولین وآخرین آپ ﷺ کی حمد کریں گے اور وہ مقام شفاعت ہوگا۔ (تفسیر جلالین)

روز آخرت اللہ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بھی کسی کی شفاعت کی جرأت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کون ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرسکے۔ (سورۃ البقرۃ:۲۵۵) اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے، وہ کام کی تدبیر فرماتا ہے، اس کی اجازت کے بعد ہی کوئی سفارشی ہوسکتا ہے۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے تو تم اس کی عبادت کرو تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ (سورۃ یونس:۳) لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اس دن لوگ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے خدائے رحمان سے وعدہ (شفاعت) لے لیا ہے۔ (سورۃ مریم:۸۷) یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا اس دن سفارش سود مند نہ ہوگی سوائے (اس شخص کی سفارش) کے جسے خدائے رحمان نے اذن (واجازت) دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہوگیا ہے (جیسا کہ انبیاء ومرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے۔ (سورۃ طٰہٰ:۱۰۹) وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ اور اس کی بارگاہ میں شفاعت نفع نہ دے گی سوائے جس کے حق میں اس نے اذن دیا ہوگا، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کردی جائے گی تو وہ (سوالاً) کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ (جواباً) کہیں گے: حق فرمایا (یعنی اذن دے دیا)، وہی نہایت بلند، بہت بڑا ہے۔ (سورۃ سبا:۲۳) ان آیات مبارکہ سے ثابت ہے کہ روز قیامت اللہ ضرور چند چنے ہوئے (منتخب) لوگوں کو شفاعت کی اجازت دے گا جن کے سوا کوئی کسی کی سفارش نہ کرسکے گا اور ان چنے ہوئے چند لوگوں میں جنہیں اللہ نے شفاعت کا حق دے رکھا ہے، یقیناً محبوب رب العالمین ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا جو تمام انبیاء کے بھی امام ہیں۔ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف شفاعت کی اجازت دی ہے بلکہ خود کئی آیات میں حکم بھی دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی رحمن ورحیم ہے۔ وہ خود بھی اپنے گنہگار بندوں کو بخش کر اپنی صفات غفور ورحیم کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور قرآن میں رسول کریم ﷺ کو بھی رؤف ورحیم قرار دیا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم رسول تشریف لے آئے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت بھاری گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں۔ (سورۃ التوبہ:۱۲۸) جس طرح اس نے اپنے محبوب کو اپنی تمام صفات کا مظہر بنایا اور ان کے بغیر کسی صفت کو ظاہر نہ فرمایا اسی طرح وہ اپنے محبوب کے بغیر اپنی غفور رحیمی کا بھی اظہار نہیں کرنا چاہتا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اپنے گنہگار بندوں کو بخشش مانگنے پر خود ہی معاف کردیتا لیکن اپنے محبوب کی تمام مخلوق پر عظمت کے اظہار کے لئے اُن سے فرماتا ہے کہ وہ اس کے بندوں کے لئے بخشش طلب کریں تاکہ اللہ اپنے محبوب سے اپنی محبت کے اظہار کے طور پر ان کے کہنے پر اپنے بندوں کو بخش دے۔ اللہ فرماتا ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔ (سورۃ النساء:۶۴) یعنی اگر ان کے معافی طلب کرنے کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی شفاعت بھی شامل ہوجاتی تو اللہ لازماً ان کی توبہ قبول فرمالیتا۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ سے فرماتا ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ پس جان لیجئے! کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (اظہار عبودیت اور تعلیم امت کی خاطر اللہ سے) معافی مانگتے رہا کریں کہ کہیں آپ سے (اپنی شان اقدس اور خصوصی عظمت ورفعت کے تناظر میں) خلاف اَولیٰ فعل صادر نہ ہوجائے۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی طلب مغفرت (یعنی ان کی شفاعت) فرماتے رہا کریں (یہی ان کا سامان بخشش ہے) اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہارے چلنے پھرنے کے ٹھکانے اور (آخرت میں) تمہارے ٹھہرنے کی منزلیں سب جانتا ہے۔ (سورۃ محمد:۱۹) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی ایسے (اجتماعی) کام پر حاضر ہوں جو (لوگوں کو) یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں (یعنی امت میں اجتماعیت اور وحدت پیدا کرنے کے عمل میں دل جمعی سے شریک ہوں) جب تک کہ وہ (کسی خاص عذر کے باعث) آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں۔ اے رسول معظم! بے شک جو لوگ (آپ ہی کو حاکم اور مرجع سمجھ کر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں، پھر جب وہ آپ ﷺ سے اپنے کسی کام کے لئے جانے کی اجازت چاہیں تو آپ (حاکم ومختار ہیں) ان میں سے جسے چاہیں اجازت مرحمت فرمادیں اور ان کے لئے (اپنی مجلس سے اجازت لے کر جانے پر بھی) اللہ سے بخشش مانگیں (کہ کہیں اتنی بات پر بھی گرفت نہ ہوجائے)، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (سورۃ النور:۶۲)

رسول کریم ﷺ کی دعا سے تسکین: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان ومال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بے شک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (سورۃ التوبہ:۱۰۳)

ان تمام آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حبیب کبریا ﷺ کو شفاعت کا حق اور اجازت دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ وہ جس کو بھی بخشے گا رسول کریم ﷺ کی خاطر ہی بخشے گا۔ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ تاکہ بخش دے اللہ آپ (کی اُمت) کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ اور اپنی نعمت کو آپ پر مکمل فرما دے۔ (سورۃ الفتح:۲۰) اس آیت میں لفظ "اُمت" حذف ہے کیونکہ جب یہ بات ثابت اور قبول عام ہے کہ تمام انبیاء معصوم اور خطا سے پاک ہوتے ہیں تو یہاں جن کے گناہوں کی معافی کی بات ہورہی ہے وہ اس آیت کے مخاطب ہرگز رسول کریم ﷺ نہیں بلکہ ان کی اُمت ہے۔ "ذنب" کے معانی گناہ ہیں اور ذنبک سے مراد معاذ اللہ! "آپ کے گناہ" نہیں بلکہ "آپ کی اُمت کے گناہ" ہی ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "جب رسول کریم ﷺ کی ذات اطہر گناہ سے پاک ہے تو بخشش کس بات کی؟"۔ (تفسیر الکبیر)

امام موصوفؒ خود ہی جواب دیتے ہیں کہ اس سے مراد اہل ایمان یعنی آپ ﷺ کی اُمت کے گناہ ہیں۔ اسی طرح صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں "اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ "اے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کے اگلے پچھلے تمام گناہ آپ کی شفاعت کے ذریعے معاف فرمادے گا۔" اس کے بعد فرماتے ہیں "ذنوب اُمت" کی اضافت رسول کریم ﷺ کی طرف کرنا کتنا حسین ہے۔ اس کی وجہ اُمت اور رسول کریم ﷺ کے درمیان گہرا تعلق اور واسطہ ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ علی الاعلان فرماتا ہے کہ جہاں اس کے محبوب ﷺ موجود ہوں گے وہاں وہ کبھی عذاب نہیں فرمائے گا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر عذاب فرمائے جبکہ آپ ﷺ ان میں (موجود) ہوں۔ (سورہ الانفال:۳۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کافروں کو عذاب دینے کے متعلق فرمارہا ہے کہ جب تک رسول کریم ﷺ اس روئے زمین پر موجود ہیں تب تک وہ ان کافروں کو بھی عذاب نہ دے گا کہ جس زمین کو اس کے محبوب ﷺ کے قدموں نے چھو لیا خواہ اب اس پر کافر ہی کیوں نہ موجود ہوں اور چاہے وہ خود ہی عذاب کی خواہش کیوں نہ کریں: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اور جب انہوں نے (طعناً) کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو (اس کی نافرمانی کے باعث) ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔ (سورۃ الانفال:۳۲) جب اللہ تعالیٰ کفار پر ان کی اس قدر زبان طعن دراز کرنے کے باوجود رسول کریم ﷺ کی موجودگی کی برکت کے باعث ان پر عذاب نہ فرمارہا تھا تو رسول کریم ﷺ کے اپنے اُمتی جو ان پر ایمان لائے اور ان سے اپنے گناہوں کی شفاعت کی امید بھی رکھتے ہیں، ان کے حق میں رسول کریم ﷺ کی شفاعت کو کیونکر قبول نہ فرمائے گا۔ جب ان کی موجودگی ہی عذاب سے نجات کا باعث ہے تو اس بات پر یقین کرنے میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے کہ انہیں شفاعت کا مکمل اختیار بھی حاصل ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول خدا بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو خدا کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔ (سورۃ النساء:۶۴) اور ہم نے ہر رسول اسی لئے بھیجا کہ حکم خدا کے مطابق اس کی بات مانی جائے یعنی رسالت کا مقصود ہی یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی اطاعت لوگوں پر لازم کردی جائے۔ اذن سے مراد ہے حکم یعنی اللہ کا حکم ہے کہ جس پیغمبر کو بھیجا جائے لوگ اس کے حکم کو مانیں اور جو اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اور اس کے حکم کو نہ مانے اس کو قتل کردیا جائے کیونکہ فیصلہ رسول کو نہ ماننے کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ رسول ﷺ کی رسالت کو قبول نہیں کیا۔ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک اور جب (نفاق کی وجہ سے اور طاغوت کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے جانے کے سبب) انہوں نے خود اپنا نقصان کرلیا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس آجاتے یعنی یہ بات ثابت ہوجاتی کہ وہ سچے دل سے توبہ کرکے آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں۔

فاستغفروا اللہ اور (نفاق سے توبہ کرکے سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے معذرت کرنے کے بعد) اللہ سے معافی کے طالب ہوتے۔ واستغفر لہم الرسول اور رسول بھی ان کے لئے معافی کے طلب گار ہوتے۔ بجائے خطاب کے الرسول کا لفظ استعمال کرنے میں عظمت رسول کا اظہار اور اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شان رسول کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کتنا ہی بڑا جرم ہو سچی معذرت کو قبول کرلیا جائے۔ لوجدوا اللہ توابا رحیما تو جان لیتے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ وجدوا کا معنی صادفوا بھی ہوسکتا ہے یعنی وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (تفسیر مظہری)

(جاری)

معیار

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی

"معیار" ایک مقررہ پیمانہ، مسلمہ اصول، یا ایسا مستند مرکز ہوتا ہے جس کے مطابق دیگر اشیا کو پرکھا، ناپا، یا جانچا جاتا ہے، یہ استقامت، یگانگت، اور اعتبار کا مظہر ہوتا ہے، خواہ وہ وقت ہو، وزن، پیمائش، یا اخلاقی اصول، معیار ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، اور تمام دیگر اشیا اسی سے ہم آہنگ کی جاتی ہیں، معیار کی اصل روح اس کی وحدانیت میں ہے، وہ ایک ہی ہوتا ہے، ثابت ومستحکم، اور مرجع ومرکز۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ انسانی ذہن نے فطری طور پر ہر چیز کے لیے ایک محور، ایک مرکز، ایک مستقل اور یکساں نقطۂ حوالہ کی جستجو کی، فطرت نے خود یہ درس دیا کہ اگر دریا کے بہاؤ میں کوئی سمت نہ ہو، تو پانی بھی کیچڑ بن جائے، اور اگر ستارے اپنی راہ چھوڑ دیں، تو قافلے بھٹک جائیں، یہی حال زندگی کا ہے، اس کے تمام شعبے اسی مرکزیت کے محتاج ہیں، جسے ہم "معیار" کہتے ہیں۔

معیار محض ایک مشورہ یا رہنمائی نہیں، بلکہ ایک قطعی وحتمی نمونہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر معیاری وقت کو لیجیے، دنیا بھر میں مختلف ممالک، ادارے، اور معاشرے اپنے اوقات کو ایک مرکزی معیار جیسے گرین وچ مین ٹائم (GMT) یا مربوط عالمی وقت (UTC) کے مطابق ترتیب دیتے ہیں، یہ معیار وقت کسی مقامی گھڑی سے متاثر نہیں ہوتا، بلکہ تمام گھڑیاں خود کو اسی کے مطابق ڈھالتی ہیں، یہی معیار کی اصل پہچان ہے۔ وہ رہ نمائی کرتا ہے، تابع نہیں ہوتا، یہ وہی اصول ہے جس کی بنیاد پر ریل گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں، ہوائی جہاز فضا میں بلند ہوتے ہیں، اور عالمی منڈیاں اپنے سود وزیاں کا حساب رکھتی ہیں۔ اگر یہ ایک ساعت کا اختلاف بھی برداشت کریں، تو نہ صرف تجارت بلکہ تہذیب کا سارا تانا بانا بکھر جائے۔

اسی طرح معیاری اوزان و پیمائش بھی اسی اصول پر قائم ہیں، جب ہم "ایک کلوگرام" کہتے ہیں، تو ہمارا اشارہ ایک مخصوص اور بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ وزن کی طرف ہوتا ہے، اسی معیار کے مطابق تمام ترازو درست کیے جاتے ہیں، کسی تاجر کا ترازو اسی وقت قابل قبول سمجھا جائے گا جب وہ اس معیاری کلوگرام کے مطابق تولتا ہو، ورنہ اس کے ترازو میں خیانت ہوگی اور اس کا سودا باطل، بعینہٖ "ایک میٹر" کا مطلب ہر فرد کی سوچ یا قیاس پر موقوف نہیں، بلکہ وہ ایک طے شدہ سائنسی تعریف پر مبنی ہے جو روشنی کی رفتار سے متعلق ہے، ہر فیتہ، ترازو، یا نقشہ اسی ایک پیمانے کا پابند ہے، اگر ایک انجینئر اپنے انداز سے ایک میٹر کو ناپے اور دوسرا اپنے خیال سے، تو کوئی پل سلامت نہ بن سکے، کوئی عمارت قائم نہ رہ سکے۔ یہی وہ معیارات ہیں جنھوں نے سائنس کو، فن تعمیر کو، اور تمام صنعتی ترقی کو ممکن بنایا۔

اگر دنیا میں مختلف معیار رائج ہوں، تو زندگی کا نظام انتشار کا شکار ہوجائے، تصور کیجیے کہ اگر ہر شہر یا ہر ملک "کلوگرام" یا "گھنٹہ" کی اپنی تعریف رکھتا، تو تجارت، سائنس، اور روزمرہ زندگی میں نہ صرف دشواریاں جنم لیتیں بلکہ افراتفری عام ہوجاتی، کوئی کشتی وقت پر نہ پہنچتی، کوئی سامان درست وزن سے نہ تلتا، اور ہر طرف بے ترتیبی کا راج ہوتا، معیار کی وحدت ہی ہم آہنگی اور تفہیم کو ممکن بناتی ہے، یہی وحدت منصفانہ لین دین، دقیق سائنسی تجربات، اور مربوط عالمی سرگرمیوں کی بنیاد ہے، یہ وحدت وہی ہے جو ایک بینک کے کھاتے میں داخل ایک عدد کو عالمی بازار میں بااعتبار بناتی ہے، جو ایک عالمی معاہدے کی شق کو تمام قوموں کے لیے یکساں معنی میں قابل فہم بناتی ہے۔

معیار صرف مادی پیمائشوں تک محدود نہیں، زبان میں بھی معیار ہوتے ہیں، جیسے قواعد واملا، جو تفہیم کو ممکن بناتے ہیں، اگر ہر مصنف یا ہر قوم اپنی زبان کو اپنی مرضی سے ڈھالے، تو مکالمہ ناممکن ہوجائے، ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان میں "نحو" نے اور فارسی واردو میں "قواعد" نے زبان کو ایک مرکزیت دی، جس کی بدولت صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی الفاظ کی صورت اور معنوں میں یکسانیت باقی رہی۔

اخلاقیات میں بھی معاشرے ہمیشہ کسی ایسے معیار کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جس کے ذریعے حق وباطل، عدل وظلم، اور خیر وشر میں تمیز ممکن ہو، اگر نیکی اور بدی کی تعریف ہر فرد کے ذاتی جذبات، وقتی مفادات، یا انفرادی ترجیحات پر چھوڑ دی جائے، تو ظلم بھی انصاف کا لباس پہن لے، اور فریب بھی تدبیر کہلانے لگے، دین اسلام نے اخلاقی معیارات کو نہ صرف واضح کیا، بلکہ ان میں ایسا دوام اور ثبات بخشا جو نہ زمانوں کے تغیر سے بدلتا ہے، نہ قوموں کے اختلاف سے متاثر ہوتا ہے۔ اور ہر عہد کے نبی کو اسی معیار کا امام مقرر کیا گیا، ان کی بعثت اسی لیے ہوئی کہ انسانیت کو ایک واضح اور قطعی اخلاقی میزان عطا ہو۔ انبیا کے اصحاب وتبعین کی سیرتیں اسی معیار کی روشنی میں ترتیب پاتی ہیں، وہ خود معیار نہیں بن جاتیں، بلکہ اس معصوم معیار و میزان کی حتی الامکان عملی تعبیر، تطبیقی ترجمان اور ظاہری تمثیل ہوتی ہیں۔

تعلیم میں بھی معیارات متعین کیے جاتے ہیں جن کے مطابق طلبہ کی قابلیت کو پرکھا جاتا ہے۔ امتحانات کے پرچے، نصاب کی حد بندی، اور نتائج کی درجہ بندی، سب اسی اصول پر قائم ہیں کہ کوئی معیاری سطح ہو جس سے ناپا جاسکے کہ طالب علم نے کتنا سیکھا، کتنا سمجھا، اور کس درجہ پر کھڑا ہے، حتیٰ کہ فن، ہنر، اور حسن کے باب میں بھی ایک مخصوص "معیار جمال" یا "کمال فن" تسلیم کیا جاتا ہے، ہر مصور، ہر معمار، ہر خوشنویس جانتا ہے کہ اس کے فن کو پرکھنے والے آنکھیں کسی خاص پیمانے سے دیکھتی ہیں، وہی پیمانہ جسے وقت نے آزمایا، اور ذوق انسانی نے تسلیم کیا۔

البتہ، ان غیر مادی یا سماجی معیارات میں وقت اور تمدن کے ساتھ تبدیلی واقع ہوسکتی ہے۔ تاہم، ہر مخصوص سیاق وسباق میں یہ بھی ایک مسلمہ معیار کا درجہ رکھتے ہیں، جیسے زبان کے قواعد وقت کے ساتھ بدلے، مگر ہر دور میں ان کے اندر ایک قائم ودائم مرکز ضرور رہا۔ جیسے اخلاقی تصورات زمان ومکان کے اثرات سے بدلتے رہے، مگر ہر قوم نے کچھ بنیادی اصولوں کو معیار کا درجہ دیا۔ یہ تسلسل ہی انسانی تہذیب کا رشتہ ہے جو ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کو جوڑتا ہے۔

فکری وفلسفیانہ سطح پر، "معیار" کا مطلب ایک ایسے مثالی نمونے سے ہوتا ہے جو غیر متغیر، مستقل، اور درست ہو، یہ نہ عوامی رائے سے بدلتا ہے، نہ وقتی رجحانات سے۔ یہ ایسا مرکز ہے جو ہر شے کو سمت عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت "فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ"، ہمیں یاد دلاتی ہے کہ راہ حق کا معیار اللہ کے حکم سے معین ہے، نہ کہ انسان کی خواہش سے۔ اس طرح معیار کا تصور صرف عملی ہی نہیں بلکہ علامتی حیثیت بھی رکھتا ہے، عملی طور پر، یہ نظام کو قائم رکھتا ہے؛ علامتی طور پر، یہ صداقت، ترتیب، اور اصول کی نمائندگی کرتا ہے، اور جب ایک قوم اپنے معیارات کو باوقار رکھتی ہے، تو وہ علم میں ترقی کرتی ہے، اخلاق میں بلندی پاتی ہے، اور تمدن میں پائیداری اختیار کرتی ہے۔ جس دن اس نے معیار کو چھوڑا، اُسی دن اس کے قافلے نے راستہ گم کردیا۔

چاہے وقت ہو، وزن، پیمائش، یا اخلاقی اصول، "معیار" ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ وہ نہ متعدد ہوتا ہے، نہ مبہم، بلکہ ایک ایسا محور ہوتا ہے جس کے گرد سب کچھ گردش کرتا ہے۔ اس کی اصل قوت اس کی وحدانیت اور مرجعیت میں ہے۔ جیسے جیسے دنیا باہم مربوط اور پیچیدہ ہوتی جارہی ہے، معیارات کی اہمیت اور بھی بڑھتی جارہی ہے۔ یہی خاموش لیکن بنیاد رکھنے والے عناصر ہیں جو ہمارے مشترکہ جہان کو منظم، منصف، اور دقیق بناتے ہیں۔ وہ آفتاب صداقت ہیں جن کے بغیر زندگی کی وادی تاریک ہے، اور تمدن کی فصیل غیر محفوظ۔ پس لازم ہے کہ ہم معیار کو نہ صرف پہچانیں، بلکہ اسے اپنائیں، قائم رکھیں، اور اس کی روشنی سے اپنے راستے منور کریں۔

☆☆☆

محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

مولانا سید اسحاق محی الدین قادری
بانی و ناظم مدرسہ باب العلوم انوار محمدی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَ لَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یونس۔ ۶۲، ۶۳، ۶۴)

"خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ہمیشہ تقویٰ شعار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عزت و مقبولیت کی بشارت ہے اور آخرت میں بھی مغفرت و شفاعت کی، یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حسن مطلق کے جلوے اور دیدار، اللہ کے فرمان بدلا نہیں کرتے، یہی وہ عظیم کامیابی ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی شان کو بیان فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کو ایمان اور تقویٰ میں رسوخ حاصل ہوتا ہے اور انہیں اللہ نے ایمان کی کامل دولت سے نواز رکھا ہوتا ہے۔ حقیقت میں جن کی زندگی تقویٰ و پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہوتی ہے، وہی لوگ اللہ کے اولیاء ہیں۔ اللہ کے یہ نیک بندے جب اپنے ایمان، عمل اور تقویٰ کے باعث حضور الوہیت میں مرتبہ ولایت پر فائز ہوجاتے ہیں تو دنیا کی کامیابیاں بھی ان کے قدم چومتی ہیں اور آخرت کی کامیابیاں بھی ان کا مقدر ٹھہرتی ہیں۔ گویا دنیا کی ساری کامیابیاں اور کامرانیاں ان کے دامن میں رکھ دی جاتی ہیں۔ امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام اولیاء اور مقربین میں سے ایک برگزیدہ ذات حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کی ہے۔ آپؒ گروہ اولیاء کے امام اور سرتاج ہیں۔ امتِ مسلمہ میں صحابہ کرامؓ اور اہل بیت اطہارؓ کے بعد ولایت کے اعلیٰ رتبہ پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو متعین فرمایا۔ اول سے آخر تک دنیا کا کوئی ولی اس مقام پر نہیں، جس مقام پر اللہ رب تعالیٰ نے آپ کو بلندی اور سرفرازی سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ اسی لئے سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مرتبہ ولایت کی نسبت کہا گیا۔

غوث اعظم درمیان اولیاء چوں محمد ﷺ درمیان انبیاء

یعنی سیدنا غوث الاعظمؒ کا مرتبہ اولیاء کے درمیان اسی طرح بلند و بالا ہے جس طرح انبیاء میں تاجدار کائنات ﷺ کا مرتبہ بلند و بالا ہے۔ اس لئے کہ ہر ولی اپنی ولایت میں کسی نہ کسی پیغمبر کے نقش قدم پر ہوتا ہے اور حضور غوث الاعظمؒ مرتبۂ ولایت میں قدم مصطفی ﷺ پر ہیں۔ سیدنا غوث الاعظمؒ کی ولادت ۴۷۰ ھجری ماہ رمضان المبارک میں ہوئی اور آپؒ کا وصال ۵۶۱ھ ماہ ربیع الثانی میں ہوا۔ آپؒ حسنی حسینی سید ہیں۔ آپؒ کے والد گرامی کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ قدرت نے آپؒ کو نہ صرف حسیب بنایا تھا بلکہ نجیب الطرفین بھی بنایا اور والد اور والدہ دونوں اطراف سے رسول کریم ﷺ کا اہلِ بیت ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ شریعت کے بغیر طریقت کا تصور باطل ہے، حضور غوث الاعظمؒ نے اس واقعہ کے ذریعے طریقت کی راہ کے مسافروں اور سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کے لئے سبق دے دیا کہ طریقت، معرفت اور ولایت میں کوئی قدم اور مرتبہ ایسا نہیں آسکتا کہ جہاں پہنچ کر کسی ولی سے شریعت، عبادت اور اطاعت کی پابندی ساقط کردی جائے۔ وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے معتقدین کے اذہان میں یہ بٹھاتے ہیں کہ ہم ولایت کے اس مقام پر ہیں کہ اب ہم سے شریعت ساقط ہوگئی، ان کا یہ دعویٰ جھوٹ ہے اور ایسا دعویٰ شیطان کے علاوہ اور کوئی نہیں کرسکتا۔ ایسا شخص چاہے آگ میں چلتا دکھائی دے اور آگ اس کا قمیص نہ جلا سکے۔ پانی کے اندر تیرتا نظر آئے اور پانی اسے ڈبو نہ سکے۔ چاہے پھونک مارے اور بیماریاں رفع ہوجائیں، الغرض جتنے عجائبات اس کے ہاتھ سے دیکھیں، وہ ولی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ تارک شریعت کبھی اللہ کا دوست نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کوئی شریعتِ مصطفوی ﷺ کا پابند ہے اور عبادت اور اطاعت کی راہ پر چلنے والا ہے تو پھر وہ ولی ہے۔ بعض لوگوں نے عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تصور وضع کردیا ہے کہ شریعت تو مولویوں کا کام ہے، طریقت والوں کے لئے شریعت کی کوئی پابندی نہیں۔ ذہن نشین کرلیں! طریقت ہو یا معرفت و ولایت سب شریعتِ مصطفوی ﷺ کے خادم ہیں۔ اگر شریعتِ مصطفوی ﷺ ہے تو پھر طریقت، معرفت اور ولایت بھی معتبر ہے۔ اگر رسول کریم ﷺ کی شریعت کی خلاف ورزی ہوگئی اور رسول کریم ﷺ کی سنت کو ترک کردیا گیا تو پھر طریقت رہی نہ معرفت و ولایت رہی۔ ایسا شخص فاسق و فاجر، جھوٹا، کذاب، دھوکہ دینے والا اور جادوگر تو ہوسکتا ہے مگر اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ ولایت وہی معتبر ہے جو آقا کریم ﷺ کے قدموں کے توسل سے آئے اور جس ولایت پر شریعت کا لبادہ موجود ہو۔ ولی وہ نہیں جو سنت کی خلاف ورزی کرے بلکہ ولی وہ ہے کہ وہ چاہے بھی تو اس کا قدم حضور ﷺ کی سنت کے خلاف اٹھ نہ سکے۔ سیدنا غوث الاعظمؒ روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ میں تین مرتبہ وعظ کرتے تھے۔ اس لئے کہ رسول کریم ﷺ کی سنت کی روح یہ ہے کہ تلقین اس قدر کرو کہ سننے والے تنگ نہ آجائیں۔ ہم تو صبح و شام درس پر درس دیتے چلے جاتے ہیں اور اس وقت تک درس دیتے رہتے ہیں، جب تک سننے والے متنفر نہ ہوجائیں۔ دوسری طرف یہ لوگ ہیں کہ جن کے دم قدم سے دینِ مصطفوی ﷺ کی بہاریں ہیں، یہ ہفتے میں صرف تین درس دیتے اور مجلس منعقد کرتے۔ آپؒ کی مجلس وعظ میں ستر ستر ہزار افراد حاضر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی آواز میں وہ کرامت عطا کی تھی کہ جس طرح آپؒ کی آواز پہلی صف میں موجود حاضرین کو سنائی دیتی، اسی مجلس وعظ کی آخری صف میں بھی آپؒ کی آواز اسی طرح سنائی دیتی۔ جب آپؒ بیان کرتے تو لوگوں کے دلوں پر ایک ایسی کیفیت وارد ہوتی کہ لوگ عالمِ جذب میں اپنے گریبان چاک کردیتے، کپڑے پھاڑ لیتے، بے ہوش ہوجاتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ سیدنا غوث الاعظمؒ کی ایک مجلس وعظ میں اس قدر کیفیات ہوتیں کہ ستر ستر جنازے اٹھتے۔ خدا کی ذات زندگی دینے والی بھی ہے اور موت وارد کرنے والی بھی ہے مگر اللہ کا بندہ جب رتبہ محبوبیت پر فائز ہوتو اس کی زبان سے کسی کی موت کا لفظ نکل جائے تو اس بندہ پر موت کی کیفیت وارد ہوجاتی ہے اور اگر حیات کی دعا زبان سے نکل جائے تو خدا حیات عطا کردیتا ہے۔ اس لئے کہ مُردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو مارنا ہمارے لئے تو ناممکن ہوگا لیکن اللہ کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے اور وہ اپنے محبوبوں کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ کی لاج رکھتا ہے۔ دیگر اولیاء جہاں اپنے کمال کا افشاء نہیں کرسکتے، وہاں رتبہ محبوبیت کا حامل ولی اپنا جو کمال چاہے، بیان کرے۔ رب کہتا ہے کہ محبوب جب تو ہمارا لاڈلا ٹھہرا تو اب جو کمال اور تصرف چاہے بیان کر، تیرے کمال کو سلب نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا غوث الاعظمؒ بانگ دہل اپنے کمالات اور تصرفات کو بیان فرمارہے ہیں اور ہزاروں کے اجتماع میں فرمایا:

قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ.
میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

یہ رتبہ محبوبیت ہے کہ آپؒ کو نسبتِ عبدیت اور ولایت محمدی ﷺ عطا ہوئی۔ اس لئے اپنی نسبت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: وَ کُلُّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ. ہر ولی کسی نبی علیہ السلام کے قدم پر ہوتا ہے اور بے شک میں نبی ﷺ کے قدم اقدس پر ہوں جو آسمان کمال کے بدر کمال (یعنی مکمل چاند) ہیں۔ دعا ہے کہ ہم حضور سیدنا غوث الاعظمؒ اور اولیاء کے مقام کو سمجھ سکیں اور ان کی محبت و عقیدت اور تعلیمات کی روشنی سے اپنے دلوں کو منور کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆

لبیک یا رسول اللہ! لبیک یا حبیب اللہ!

محمد ابراہیم خلیل سبیلی
امام و خطیب جامع مسجد غوثیہ حیدرآباد

یارسول اللہ! یا حبیب اللہ! یا خیر خلق اللہ! آج میں آپ سے مخاطب ہوں اس حال میں کہ میری آنکھیں اشکبار ہیں، میری زبان کانپ رہی ہے، میرا دل تڑپ رہا ہے اور میرا وجود آپ کے عشق کی خوشبو میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ بے قراری [illegible] آپ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں، آپ معلم انسانیت ہیں، آپ وجہ تخلیق کائنات ہیں۔

یارسول اللہ! دل کی گہرائیوں سے یہ صدا آتی ہے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر نثار ہو۔ [illegible]

یارسول اللہ! آج زمین پر ظلم کے سائے ہیں، ہر سو اندھیرا ہے، [illegible] اور آپ کے دیوانے آپ کو I love Muhammed کہتے ہیں۔ یہ نعرہ ان کے لئے ایمان کا اظہار ہے، ان کے لئے زندگی کا سہارا ہے، اور ان کے اسلام کا جھنڈا ہے، وہ جانتے ہیں کہ دنیا انہیں مار سکتی ہے، قید کرسکتی ہے، ان کے گھر بار ڈھا سکتی ہے، لیکن ان کے دلوں سے آپ کی محبت نہیں نکال سکتی۔ آقا! آپ جانتے ہیں ان تمام مصیبتوں کے باوجود آج ان کے چہروں پر خوشی ہے، ان کے دلوں میں سکون ہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کے نام پر اٹھنے والا ہر نعرہ ایمان کی گواہی ہے، آپ کی ذات پر جھیلنے والا ہر دکھ سعادت ہے، آپ کے محبت میں گرنے والا ہر آنسو جنت کا موتی ہے۔ میرے آقا! دنیا والے کہتے ہیں یہ لوگ مجنون ہیں، پاگل ہیں، دیوانے ہیں؛ مگر انہیں کیا معلوم کہ ہمیں اس دیوانگی پر فخر ہے، یہ دیوانگی ہمارے ایمان کی جان ہے، دلوں کی روشنی ہے، اور روح کا سکون ہے۔ یارسول اللہ! اگر ہم نے آپ کو نہیں دیکھا تو کیا ہوا ہمارا ایمان ہے آپ کی محبت ہی ہماری زندگی ہے، آپ کی اتباع ہی ہماری اولین ترجیح ہے، اور آپ کی اطاعت ہی ہماری پہچان ہے۔ اگر آپ کا دیدار نصیب ہوجاتا تو یہ دل شدت عشق سے ٹوٹ جاتا، یہ آنکھیں نور جمال سے بہہ جاتیں، اور یہ روح آپ کی ایک نگاہ پر قربان ہوجاتی۔

یارسول اللہ! جب ہم صحابہ کرام کے واقعات پڑھتے ہیں تو ہمارے دل لرز جاتے ہیں، ان کے حالات پر غور کرتے ہیں تو ان کی وفاؤں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ وہ عاشقانِ صدق و صفا جنہوں نے آپ کے ایک ادنیٰ اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کیا۔ حضرت ابوبکر نے آپ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، حضرت عمر نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ دی، حضرت عثمان نے اپنا سارا مال آپ کے قدموں میں نچھاور کردیا، حضرت علی نے آپ کے بستر پر سوکر موت کو گلے لگالیا۔ حضرت بلال نے آپ کی محبت میں آگ کے انگاروں پر احد احد کی صدائیں بلند کیں، حضرت خباب نے مکہ کی گرم ریت اور انگاروں کو برداشت کیا، حضرت عمار اور ان کے والدین نے آپ کے لئے جام شہادت نوش کیا۔ اے محبوب کبریا! جب آپ میدان احد میں زخمی ہوگئے تو صحابہ کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور انہوں نے اپنی جانوں کو قربان کرکے آپ کی حفاظت میں ڈٹ گئے۔ حضرت ابوبکر فوراً دوڑے ہوئے آئے اور دشمن کو آپ کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ حضرت علی مسلسل تلوار چلاکر دشمن کو پیچھے دھکیلتے رہے۔ حضرت طلحہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سہارا دیا، اور مشرکین مکہ کے مقابلہ میں اپنی جان کو ڈھال بنایا۔ ان کے ہاتھ میں اتنے زخم آئے کہ بعد میں وہ ہاتھ مفلوج ہوگیا۔ حضرت ابودجانہ آپ کے سامنے اس طرح کھڑے ہوگئے کہ ہر آنے والا تیر ان کے سینے میں لگتا تھا۔ جب خود کی کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں پیوست ہوگئیں تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے انہیں اپنے دانتوں سے کھینچا، جب ایک کڑی نکلی تو ان کا ایک دانت اور جب دوسری کڑی نکلی تو دوسرا دانت ٹوٹ گیا۔ جب آپ کے چہرے سے خون بہنے لگا تو حضرت مالک بن سنان نے وہ خون چوس لیا اور کہا آقا! میری جان آپ پر فدا ہو میں یہ خون زمین پر گرنے نہیں دوں گا۔ اسی طرح حضرت انس بن نضر، سعد بن وقاص، اور دیگر جان نثار صحابہ اپنی جانیں قربان کیں تاکہ آپ محفوظ رہ سکیں۔

یارسول اللہ! جب ہجرت کی رات مکہ کی دشمن وادیاں آپ کی تاک میں تھیں تو آپ کے یار غار کبھی آگے بڑھکر راستے کو دیکھتے اور کبھی پیچھے ہٹ کر آپ کی حفاظت کرتے۔ جب آپ غار ثور میں قیام پذیر تھے تو دشمن صرف چند قدموں کے فاصلے پر آگئے تھے، یہ وہ لمحہ تھا جب زمین والوں سے زیادہ آسمان کے فرشتے آپ کا پہرہ دے رہے تھے۔ جب طائف کی وادی میں آپ کے مبارک جسم پر پتھروں کی بارش ہوئی تو آپ کے سفر کے ساتھی حضرت زید بن ثابت نے اپنے جسم کو ڈھال بنالیا تھا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ وہ بھی لہولہان ہوگئے اور ان کی زبان پر شکوہ کے بجائے شکر کے الفاظ تھے۔ جب صلح حدیبیہ کا موقع آیا تو صحابہ کرام کے دلوں میں جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی مگر آپ کا ایک فیصلہ سب کے لئے سکون اور خاموشی کا باعث بن گیا۔ اور جب جنگ موتہ کا معرکہ پیش آیا تو حضرت جعفر طیار نے آپ کی محبت میں دونوں ہاتھ کٹوادئے مگر پرچم رسالت کو زمین پر گرنے نہیں دیا۔ یہ سب آپ کے عشق کا کرشمہ تھا وہ جانتے تھے کہ آپ کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور آپ کے قدموں کی خاک ہی جنت کا واحد راستہ ہے۔ یہ آپ کے غلاموں کی داستان عشق ہے جس کی مثال نہ کل تھی نہ آج ہے اور نہ آئندہ کبھی قیامت تک رہے گی۔

یارسول اللہ! ہم بھی آپ کے غلام ہیں؛ لیکن بے بس اور کمزور ہیں، ہمارے قدم ڈگمگاتے ہیں، ہماری زبانیں لرزتی ہیں، ہمارے بدن کانپ جاتے ہیں؛ لیکن پھر بھی ہماری امید اور ہمارا مرجع آپ ہی ہیں۔ آپ کی محبت ہی ہماری کمزوریوں کو طاقت میں بدل سکتی ہے، آپ کی یاد ہی ہمارے زخموں کو مرہم دے سکتی ہے، اور آپ کے ذکر سے ہی ہمارے سینے معمور ہوسکتے ہیں۔ میرے آقا! اگر ہم بکھر جائیں تو آپ کی نسبت ہمیں سمیٹ لیتی ہے، اگر ہم گر جائیں تو آپ کا نام ہمیں اٹھالیتا ہے، اگر ہم کمزور پڑ جائیں تو آپ کی یاد ہمیں حوصلہ دیتی ہے، ہماری دعاؤں کی آہ و زاری آپ کی محبت کی وجہ سے ہے، ہماری راتوں کی تنہائیاں آپ کی یاد سے روشن ہیں، اور ہماری آرزوئیں آپ کے قدموں پر قربان ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی محبت کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں، ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ کی محبت ہمارے ایمان کی جان ہے۔ اس لئے آج بھی آپ کے غلاموں کی محبت تڑپتی ہے، ترستی ہے، وہ آج بھی آپ کا نام لیتے ہیں، لاٹھیاں کھاتے ہیں، ظلم سہتے ہیں، جیلوں کی تاریکی برداشت کرتے ہیں؛ لیکن اف تک نہیں کہتے اور نہ آپ کے نام سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اے محبوب خدا! یہ کمزور امت اپنی وفاداری کو ثابت کررہی ہے کہ وقت بدل جائے مگر عشق رسول نہیں بدل سکتا۔ ہم تو بس آپ کے ہیں اور آپ ہی کے رہیں گے۔

یارسول اللہ! آج یہ زمانہ چاہتا ہے کہ آپ کے غلام آپ کا نام لینا چھوڑ دیں، آج کے حکمران چاہتے ہیں کہ آپ کی محبت کے نعرے نہ لگائیں، آپ کا نام نہ لکھیں لیکن ہمارے دلوں پر کوئی حکومت نہیں کرسکتا، یہ دل آپ کے اسیر ہیں۔ اگر دنیا ہمیں ستائے، طاغوت ہمیں دبائے، وقت کے فرعون ہمیں ڈرائے، تب بھی ہم آپ کی اطاعت سے منہ نہیں موڑیں گے، آپ کا نام لینا نہیں چھوڑیں گے، جب تک جان میں جان ہے یہ زبان آپ کی مدحت کرتی رہے گی، یہ ہاتھ آپ کا نام لکھتے رہیں گے، اور یہ آنکھیں آپ کے عشق میں آنسو بہاتی رہیں گی۔ اے میرے آقا! دنیا کے کونے کونے میں آپ کے متانے موجود ہیں، کوئی مسجد میں بیٹھ کر آپ پر درود بھیج رہا ہے، کوئی مدرسہ میں رہ کر قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کررہا ہے، کوئی جلسے میں آپ کی نعت گنگنارہا ہے، اور کوئی جلوسوں میں آپ کا نام لے رہا ہے ہر ایک کی زبان پر بس ایک صدا ہے: ہمیں آپ کی غلامی پر فخر ہے، ہم آپ کے نام پر جیتے ہیں اور آپ ہی کے نام پر مرتے ہیں۔

یا حبیب اللہ! ہم اپنی سانسوں کو آپ کے نعلین پاک پر قربان کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ ہم اپنی آرزوؤں کو آپ کی غلامی میں فنا کردینا چاہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چلیں، آپ کے لائے ہوئے دین پر عمل کریں، یانبی اللہ! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی محبت صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ثابت ہوتی ہے، اس لئے ہم آپ کی سنتوں کو زندہ کرنے کا عزم مصمم کرتے ہیں، اور آپ کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لئے اپنی جان، مال اور اولاد سب قربان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یارحمۃ اللعالمین! ہم جانتے ہیں کہ آپ سے محبت کا تقاضا صرف نعرے لگانا نہیں بلکہ اپنی زندگیوں کو آپ کے اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھالنا ہے، آپ کی بتلائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی سیرت کو پڑھیں گے، آپ کے اخلاق عظیمہ کو اپنائیں گے، اور آپ کی مشن کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر آگے بڑھائیں گے۔

یارسول اللہ! ہم نے اگرچہ کہ آپ کا مبارک چہرہ نہیں دیکھا، آپ کے عہد زریں میں پیدا نہیں ہوئے؛ مگر دل کی آنکھیں آپ ہی کا جلوہ دیکھتی ہیں، علماء کہتے ہیں آپ کا سایہ نہیں ہے لیکن ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر سایہ فگن ہے۔ آج ہم اعلان کرتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہم کو آپ کے عشق سے دور نہیں کرسکتی، ظالم حکومتیں ہمیں ڈرا نہیں سکتیں، اور دنیا کی کوئی شی ہم کو خرید نہیں سکتی۔ ہم اپنی زبانوں سے آپ کی محبت کا اقرار کرتے ہیں، ہم اپنی گردنوں میں آپ کی غلامی کا طوق پہنتے ہیں، اپنی جانیں آپ کے نام پر قربان کرتے ہیں اور قیامت کی صبح تک یہ صدا بلند کرتے ہیں:

فداک ابی و امی و نفسی یا رسول اللہ!
لبیک یا رسول اللہ! لبیک یا حبیب اللہ!

☆☆☆

بقیہ۔۔۔ والدین اپنے اہداف طے کریں

بیسویں صدی میں کارل جنگ جیسے ماہر نفسیات نے اپنی تحقیق پیش کی کہ تصاویر اور علامتیں ہمارے ذہن کو کیسے متاثر کرتی ہے۔ نصف صدی گزرنے کے بعد شکتی گاوین کی کتاب Creative Visualization نے قیاس کی قوت پر ایک جامع تحقیق پیش کی۔ اکیسویں صدی میں Law of Attraction کا تصور مقبول ہوا۔ اور ان سارے تصورات نیز تحقیقات کے مقبول ہونے کے نتیجے میں وژن بورڈ ایجاد ہوا۔ یہ ایک ایسا بورڈ ہے جسے اپنے خواب اور مقاصد کو تصاویر، جملوں اور لفظوں کی مدد سے مزین کرکے گھر کے کسی حصے میں آویزاں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بورڈ یاددہانی کے لیے لگایا جاتا ہے۔ والدین پیرنٹنگ وژن بورڈ کسی چارٹ یا موٹے کارڈ پر تیار کرکے گھر کی کسی دیوار یا الماری پر آویزاں کرسکتے ہیں۔ اس بورڈ پر والدین ان تصاویر کا استعمال کرسکتے ہیں جو بچوں کو مقصد حیات کی یاد دلاتا رہے۔ اپنے خاندان میں جن خوبیوں کو آپ دیکھنا چاہتے ہیں انھیں جلی حرفوں میں لکھ سکتے ہیں مثلاً صبر، توجہ، محنت، اپنی مدد آپ، ملنساری، عاجزی وغیرہ۔ والدین چاہیں تو معنی خیز پرکشش سلوگن بھی لکھ سکتے ہیں مثلاً:

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، معافی مانگنے سے عزت بڑھتی ہے، سلام کرتے رہو محبت بڑھاتے رہو، جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات، احادیث دعائیں اور اقوال بھی لکھ سکتے ہیں اور جن شخصیات کو وہ رول ماڈل بنانا چاہتے ہیں ان کی تصاویر یا نام یا اقوال بھی اس بورڈ پر درج کرسکتے ہیں۔

شکر گزاری: لائف کوچنگ کے ماہرین gratitude list بنانے پر زور دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی فہرست ہے جس میں ہمیں ان نعمتوں کا نام درج کرنا ہوتا ہے جن کے بارے میں ہم خدا تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ اس فہرست میں روزانہ نئی چیزیں درج کرنی ہوتی ہیں۔ روزانہ اس فہرست کو پڑھنے سے مثبت توانائی ملتی ہے، کیوں کہ یہ یاد دلاتی ہے کہ زندگی نعمتوں سے بھرپور ہے۔ والدین اگر وقت نکال کر ہفتے میں یا مہینے میں ایک مرتبہ ہی سہی اپنے بچوں سے جڑی، اپنے اور اپنے خاندان سے جڑی ایسی فہرست تیار کرتے ہیں تو والدین کے نظریے میں مثبت تبدیلی آئے گی اور اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے انھیں توانائی ملتی رہے گی۔

وقت کا مؤثر استعمال: دن رات تو کل ملاکر چوبیس گھنٹے کے ہی ہوتے ہیں۔ اتنے گھنٹے بھی ایک کارآمد دن گزارنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن والدین بننے کے بعد خصوصاً ایک ماں کے روٹین میں بہت تبدیلیاں آتی ہیں اور وقت بچوں میں اتنا بٹ جاتا ہے کہ ذاتی اور بنیادی کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ والدین کے لیے وقت کا مؤثر استعمال (Effective Time Management) بہت اہم ہے، کیوں کہ وہ بیک وقت بچوں کی پرورش و نگہداشت، گھریلو ذمہ داریاں اور بعض اوقات پیشہ ورانہ فرائض بھی ادا کررہے ہوتے ہیں۔ اس لیے وقت کا صحیح استعمال کرنے کے لیے تدابیر اختیار کرنا لازم ہے۔ ترجیحات کا تعین کریں۔ ان کاموں کو ضرور کریں جن کا کرنا مفید تر ہو اور بچوں کو بھی اہم تر کاموں کو ترجیح دینے کی تربیت دیں۔ غیر ضروری کاموں کو یا وہ کام جن سے وقت کا ضیاع ہوتا ہو (مثلاً بہت زیادہ موبائل یا سوشل میڈیا) کم سے کم وقت دیں۔ روزانہ کا ایک سرسری شیڈول بنائیں کہ کون سا کام کب کرنا ہے۔ کچھ کام صرف چھٹی کے دن (اتوار) کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، امتحانات کے دنوں کا شیڈول الگ ہوگا نیز جمعہ کے دن کا بھی خاص شیڈول ہوتا ہے۔ اسی طرح تہوار کا معاملہ ہے، امتحان کا ہے، چھٹیوں کا ہے۔ اہداف کے حصول کے لیے شیڈول ہونا چاہیے۔

کوالٹی ٹائم دیں: اپنے بچوں کے ساتھ جو بھی وقت گزاریں اس میں ان کی طرف پوری توجہ دیں، انھیں محبت اور اپنائیت کا احساس دیں۔ اپنے کام اور اپنے معاملات کچھ وقت کے لیے بھلا کر بچوں کو مکمل وقت دیں۔ ضروری نہیں کہ کوالیٹی ٹائم کے طور پر کئی گھنٹے دیے جائیں۔ کم وقت ہو مگر توجہ سے بھرپور ہو وہ زیادہ وقت سے بہتر اور مفید تر ہے جس میں توجہ منتشر ہو۔ یہ ضروری ہے کہ والدین اپنے ذاتی کاموں (کھانا، پینا، سونا، غسل کرنا) کو وقت دیں۔ خود اپنے کاموں کو وقت دینے سے تازگی و توانائی برقرار رہتی ہے اور چڑچڑاپن اور تھکان میں کمی رہتی ہے۔ مدد مانگنے سے ہچکچائیں نہیں۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ بچوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے دوسروں کی مدد لینی پڑتی ہے یا بہت سی ذمہ داریوں کے بوجھ کی بہتر ترتیب کیلئے مدد چاہیے ہوتی ہے۔ ایسے میں مدد ضرور مانگیں۔

اپنے بچوں کے لیے آپ کے جو جائز مقاصد ہوں ان کے حصول کے لیے اللہ سے خوب دعا کیا کریں۔ نابینا ہونے کے باوجود اپنے بیٹے کے لیے بڑے بڑے مقاصد رکھنے والی ماں نے اللہ سے اس قدر دعائیں مانگیں کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ مستند مانی جانے والی اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بخاری شریف ہے۔ یہ واقعہ یہی سبق دیتا ہے کہ دل میں جذبہ ہو اور نیت میں پختگی ہو اور اللہ کی مدد مانگی جائے تو کسی قسم کی کوئی کم زوری بھی منزل تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی۔ والدین کے ذہن میں اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے خواب تو ہونے ہی چاہئیں۔ ان خوابوں کی تحریک سے ہی شخصیت سازی ہوسکتی ہے۔ نہ صرف والدین کو اہداف کی ضرورت ہے بلکہ ان اہداف کو پورا کرنے کے لیے کارآمد تدابیر کی بھی ضرورت ہے۔☆

سورۃ النجم: ایک مختصر تعارف

محمد عبدالحفیظ اسلامی
سینئر کالم نگار و خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ: 9849099228

مکی سورۃ "النجم" قرآن حکیم کی 53 ویں سورہ ہے، جس میں 62 آیات کریمہ اور 3 رکوعات آئے ہیں، اس سورت کا نام اسکی پہلی آیت "والنجم اذاھوٰی" میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ یہ قرآن حکیم کی پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ آئی ہے۔ اور اس کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے قریش کے عام مجمع میں سنائی تھی (ابن مردویہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے اس سورہ کو حرم میں سنایا تھا) اس مجمع میں، کافر اور مومن سب موجود تھے۔ آپ ﷺ مذکورہ سورت کی تلاوت فرماکر آخر میں (سجدہ والی آیت کریمہ پر) سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے اور اس مجمع میں موجود مشرکین کے بڑے بڑے سردار تک (جو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی دعوت اور آپ جو کلام الٰہی پیش فرمارہے تھے اس کی مخالفت میں آگے آگے رہا کرتے تھے) نے نبی ﷺ کے ساتھ "سجدہ کئے بغیر" نہ رہ سکے۔

ابن سعد کے حوالے سے یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے رجب 5 نبوی میں صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر سی جماعت حبش کی طرف ہجرت کرچکی تھی۔ پھر جب اسی سال رمضان میں یہ (کفار کا، نبی ﷺ کے ساتھ سجدے میں گر جانے کا) واقعہ پیش آیا تو حبش کے مہاجرین تک یہ قصہ اس شکل میں پہنچا کہ کفار مکہ، مسلمان ہوگئے ہیں۔ اس خبر کو سن کر (خوشی میں) ان میں سے کچھ لوگ شوال 5 نبوی میں مکہ واپس آگئے۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ ظلم کی چکی اسی طرح چل رہی ہے جس طرح پہلے چل رہی تھی۔ آخر کار دوسری ہجرت حبشہ بھی واقع ہوئی جس میں پہلی ہجرت سے بھی زیادہ لوگ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس طرح یہ بات قریب قریب یقینی طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ یہ سورہ رمضان 5 نبویؐ میں نازل ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جس میں اس سورۃ "نجم" کا نزول ہوا۔

کفار مکہ جہاں پر اہل ایمان کے ساتھ ظلم کا رویہ اختیار کررکھا تھا تو دوسری جانب یہ لوگ دعوت حق کے مقابلے میں طرح طرح کی مکروہ چالیں چلتے، ان کا منشاء یہ تھا کہ کسی بھی طرح سے "محمد" (ﷺ) کی دعوت کو دبا دیا جائے، اس طرح کفار مکہ کی ہمیشہ یہ کوششیں رہی تھیں کہ اللہ کے رسول جو کلام سنارہے ہیں نہ خود سنیں اور نہ دوسروں کو سننے دیں۔ چاروں طرف غلط فہمیوں کا ایک طوفان، جھوٹے پروپگنڈہ کا بازار گرم کردیا گیا تھا۔ ان حالات میں ایک روز آنحضور سید عالم ﷺ نے حرم پاک میں سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی، جس میں وہ واقعہ پیش آیا تھا کہ کفار بھی سورۃ نجم کے ختم پر نبیؐ اور اہل ایمان کے ساتھ سجدے میں گر گئے تھے۔ لیکن بعد میں کفار کو یہ احساس ہوگیا کہ ہم سے یہ کیا کچھ ہوگیا کہ ہم نے "محمد" (ﷺ) کی زبان سے قرآن سنا اور سجدہ بھی کرگزرے، علاوہ ازیں مشرکین مکہ میں سے دیگر لوگوں نے بھی ان کی اس حرکت پر ملامت کرنا شروع کردیا کہ تم لوگ دوسروں کو تو قرآن کی سماعت سے روکتے ہو، اور اب تم خود کان لگا کر اس کلام کو سنا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ "محمد" ﷺ کے ساتھ سجدہ بھی کرگزرے؟ آخر کار کفار نے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا، اس مشکل گھڑی سے فراری کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ان لوگوں نے مخبر صادق (داعی اعظم محمد رسول اللہ ﷺ) کی طرف یہ بات منسوب کردی، یعنی یہ جھوٹ باندھ دیا کہ ہمارے کانوں نے تو یہ الفاظ سنے تھے۔

"تلک الغرانقۃ العلی، وان شفاعتھن لترجی"
(یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے)

اس طرح ان کفار نے جھوٹ کا سہارا لے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

حالانکہ کوئی پاگل آدمی (عقل سے عاری) ہی سوچ سکتا تھا کہ اس پوری سورۃ کے سیاق و سباق میں ان فقروں کی بھی کوئی جگہ ہوسکتی ہے جو ان کا دعویٰ تھا کہ ان کے کانوں نے سنے ہیں۔ (اقتباس تفہیم القرآن)

تلخیص ترجمان القرآن ابوالکلام آزاد میں ہمیں یہ تحریر ملتی ہے جس کے چند اقتباسات درج ذیل نقل کئے جاتے ہیں۔

(1) وہ اپنے اضطراری فعل (سجدہ کرنے) کا عذر اسی طرح پیش کرسکتے تھے کہ اپنی گھڑی ہوئی بات کو پھیلائیں اور لوگوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا کریں کہ آپ کسی وقت ان کی طرف مائل ہوگئے تھے"۔

(2) "مشرکین نے بزعم خود سورۃ النجم میں چند الفاظ گھڑ کر ملالئے تھے کہ آپؐ نے ایسا پڑھا تھا، لیکن یہ سراسر لغو بات تھی، حضرت محمد ﷺ سے یہ بات کیسے ممکن ہوسکتی تھی۔" صفحہ نمبر 691 حاشیہ، 61

سورہ مذکورہ کی ابتدائی 2 آیات میں نبی ﷺ کی عظمت اور آپ کی بے نقص و بے عیب حیات طیبہ کی، پاکیزہ و کھلی کتاب اہل مکہ کے سامنے رکھتے ہوئے لمحہ فکر یہ دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی قدر جانو آپ کو اور آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کو ہلکے میں لیکر اپنی دنیا و آخرت تباہ نہ کرلو۔ ! خبردار ہوجاؤ کہ (جہالت کے) اندھیروں کا خاتمہ ہوگیا، کیونکہ اب تمہارے ساتھی جنہیں تم امین و صادق کہتے ہو جنکی بے داغ زندگی تمہارے سامنے ہے لہٰذا یہ (محمد ﷺ تمہارے درمیان) کھلی روشنی بن کر اللہ کی طرف سے آگئے ہیں، ایسے باکمال، علم و دانائی سے بھرپور اپنے ان ساتھی کو، زندگی کی سیدھی راہ کے لیے ہدایت کا روشن چراغ بنالو اور فائدہ اٹھالو، یعنی انکی واضح تعلیمات پر مشتمل فرامین کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے سفر حیات کے صبح و شام پورے کرو اسی میں تمہاری دو جہاں میں عافیت و سلامتی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سورۃ النجم آیت 1 اور 2 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

اصل میں لفظ النجم استعمال ہوا ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اس سے مراد ثریا (Pleiades) ستاروں کا جھرمٹ ہے۔ ابن جریر اور زمخشری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ عربی زبان میں جب مطلقاً النجم کا لفظ بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے ثریا ہی مراد لیا جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد زہرہ (Venus) ہے۔ اور ابوعبیدہ نحوی کا قول ہے کہ یہاں النجم بول کر جنس نجوم مراد لی گئی ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ جب صبح ہوئی اور سب ستارے غروب ہوگئے۔ موقع و محل کے لحاظ سے ہمارے نزدیک یہ آخری قول زیادہ قابل ترجیح ہے۔

(2) "تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے"۔

مراد ہیں رسول اللہ ﷺ اور مخاطب ہیں قریش کے لوگ۔ اصل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ صَاحِبُکُمْ (تمہارا صاحب)۔ صاحب عربی زبان میں دوست، رفیق، ساتھی، پاس رہنے والے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کے ہوتے ہیں۔ اس مقام پر آپ ﷺ کا نام لینے یا ہمارا رسول کہنے کے بجائے تمہارا صاحب کہہ کر آپ کا ذکر کرنے میں بڑی گہری معنویت ہے۔ اس سے قریش کے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ جس شخص کا تم سے ذکر کیا جارہا ہے وہ تمہارے ہاں باہر سے آیا ہوا کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے اس سے تمہاری پہلے کی کوئی جان پہچان نہ ہو۔ تمہاری اپنی قوم کا آدمی ہے۔ تمہارے ساتھ ہی رہتا بستا ہے۔ تمہارا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کون ہے، کیا ہے، کس سیرت و کردار کا انسان ہے، کیسے اس کے معاملات ہیں، کیسے اس کی عادات و خصائل ہیں، اور آج تک تمہارے درمیان اس کی زندگی کیسی رہی ہے۔ ان کے بارے میں منہ پھاڑ کر کوئی کچھ کہہ دے تو تمہارے اندر ہزاروں آدمی اس کے جاننے والے موجود ہیں جو خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ بات اس شخص پر چسپاں ہوتی بھی ہے یا نہیں۔

یہ ہے وہ اصل بات جس پر غروب ہونے والے تارے یا تاروں کی قسم کھائی گئی ہے۔ بھٹکنے سے مراد ہے کسی شخص کا راستہ نہ جاننے کی وجہ سے کسی غلط راستے پر چل پڑنا اور بہکنے سے مراد ہے کسی شخص کا جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کرلینا۔ ارشاد الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ جو تمہارے جانے پہچانے آدمی ہیں، ان پر تم لوگوں کا یہ الزام بالکل غلط ہے کہ وہ گمراہ یا بدراہ ہوگئے ہیں۔ درحقیقت وہ نہ بھٹکے ہیں نہ بہکے ہیں۔ اس بات پر تاروں کے غروب ہونے کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں جب تارے نکلے ہوئے ہوں، ایک شخص اپنے گردوپیش کی اشیاء کو صاف نہیں دیکھ سکتا اور مختلف اشیاء کی دھندلی شکلیں دیکھ کر ان کے بارے میں غلط اندازے کرسکتا ہے۔ مثلاً اندھیرے میں دور سے کسی درخت کو دیکھ اسے بھوت سمجھ سکتا ہے۔ کوئی رسی پڑی دیکھ کر اسے سانپ سمجھ سکتا ہے۔ ریت سے کوئی چٹان ابھری دیکھ کر یہ خیال کرسکتا ہے کہ کوئی درندہ بیٹھا ہے۔ لیکن جب تارے ڈوب جائیں اور صبح روشن نمودار ہوجائے تو ہر چیز اپنی اصلی شکل میں آدمی کے سامنے آجاتی ہے۔ اس وقت کسی چیز کی اصلیت کے بارے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ ایسا ہی معاملہ تمہارے ہاں محمد ﷺ کا بھی ہے کہ ان کی زندگی اور شخصیت تاریکی میں چھپی ہوئی نہیں ہے بلکہ صبح روشن کی طرح عیاں ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے یہ "صاحب" (نبی مکرم) ایک نہایت سلیم الطبع دانہ و فرزانہ (شخصیت کے مالک) آدمی ہے۔

ان کے بارے میں قریش کے کسی شخص کو غلط فہمی کیسے لاحق ہوسکتی ہے کہ وہ گمراہ ہوگیا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ کمال درجہ کا نیک نیت اور راستباز انسان ہے۔ اس کے متعلق تم میں سے کوئی شخص کیسے یہ رائے قائم کرسکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر نہ صرف خود ٹیڑھی راہ اختیار کر بیٹھا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اسی ٹیڑھے راستے کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوگیا ہو۔ (تفہیم القرآن)

اسی طرح ایک اور معروف مفسر امام جلال الدین السیوطی (آٹھویں صدی ہجری کے عظیم عالم دین) تحریر فرماتے ہیں:

ماضل صاحبکم یہ جواب قسم ہے، صاحبکم تمہارا ساتھی، اس کلمہ سے آپ ﷺ کی صداقت کو واضح اور ثابت کرنا مقصود ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے درمیان گزارے ہیں، ان کے شب روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے، راست بازی اور ایمان داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ دیکھا؟ اب چالیس سال بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کررہا ہے تو ذرا سوچو کہ وہ کس طرح جھوٹ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے، اللہ تعالیٰ نے دانستہ اور نادانستہ دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ فرمائی ہے۔ (تفسیر جلالین)

غرضیکہ اس سورۃ نجم میں کفار مکہ کے اس غلط رویہ پر متنبہ کیا جاتا ہے جو انھوں نے حضرت محمد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں اپنا رکھا تھا۔

اس سورت میں کہا جارہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اسلام کی جو تعلیم دے رہے ہیں جس کی طرف تمہیں بلارہے ہیں درحقیقت یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔ یعنی یہ تمہاری جہالت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم لوگوں نے میری طرف سے نازل چیز کو محمد ﷺ کی طرف سے گھڑی ہوئی چیز سمجھ بیٹھے۔ اور ایک حقیقت بھی تمہاری طرف کھولی جاتی ہے کہ وہ جو کچھ حقائق تمہارے سامنے رکھتے ہیں یہ اپنی طرف سے گمان و قیاس کی بنیاد پر نہیں رکھتے بلکہ یہ وہ حقائق ہیں جو ان کی آنکھوں دیکھی چیز ہے۔

آگے کا مضمون آیت 23 سے یوں شروع ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے جو (باطل) دین اختیار کر رکھا ہے یہ کسی علم اور دلیل کے بغیر محض گمان اور من مانی مفروضات پر قائم ہے، تمہارے جتنے بھی عقیدے ہیں یہ سارے کے سارے طبع ذات ہیں خلاصہ کلام یہ کہ یہ سب تمہاری نفسانی خواہشات کا مظہر ہے کہ "اوہام" کو تم نے حقیقت سمجھ بیٹھے اور یہ بیماری تمہارے اندر اس لئے پیدا ہوئی کہ تم لوگوں نے فکر آخرت سے بے پرواہ ہوکر صرف دنیا کے طالب بن کر رہ گئے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حقیقی علم سے آدمی دور ہوجاتا ہے۔

آیت کریمہ 31 سے مضمون کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے اس میں ایک ایسی حقیقت کو واضح انداز میں بیان کیا گیا (تمہارا حقیقی معبود) تو وہ ہے جو زمین اور آسمانوں اور اس کے درمیان جو کچھ ہے سب اسی کی ملک ہے اور یہ بات بھی بتادی گئی کہ راہ راست پر وہ ہے جو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور گمراہی میں مبتلا وہ شخص ہے جو اس کی بتائی ہوئی تعلیم سے راہ فرار اختیار کرے، ہاں یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ ہر ایک کے عمل کو اچھی طرح جانتا ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس کے ہاں انصاف ہے۔ برائی کرنے والے اپنے برے انجام کو پہنچ گئے اور بھلائی کا راستہ اختیار کرنے والے یقیناً بھلائی ان کا مقدر بن کر رہے گی۔ آیت کریمہ 35 سے لے کر سورۃ کے ختم تک اس طرح بیان فرمایا کہ جس سے دین کے بنیادی اُمور واضح ہوجائیں جو قرآن حکیم کے نزول سے کئی سو برس پہلے حضرت سیدنا ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں بیان کئے جاچکے تھے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ وہ حقائق ہیں جو شروع ہی سے اللہ کے نبیوں نے بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ کلام کا اختتام نصیحت بھرے انداز سے ہوتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ فیصلہ کی گھڑی آنے سے قبل اپنی اصلاح کرلو ورنہ خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت فرمانے کے بعد نبی ﷺ نے سجدہ فرمایا جو ہم سب کے لیے بھی ضروری ہے! اس سلسلہ میں علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں یوں رقمطراز ہوئے "کفار کی خرمستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہوجاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی واحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراج انسانیت ہے۔۔۔ یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزل مراد پر پہنچ جاتا ہے" (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ نمبر 46)

☆☆☆

ہماری کائنات حادث ہے یا قدیم؟

مولانا انیس الرحمن ندوی
جنرل سکریٹری، فرقانیہ اکیڈمی وقف، و ایڈیٹر مجلہ تعمیر فکر، بنگلور

انسان ہماری کائنات کی تخلیق کے متعلق شروع سے سوچتا آ رہا ہے۔ اس سلسلے میں انسانی دماغ میں جو بنیادی سوالات ابھرتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ہماری کائنات حادث ہے یا قدیم؟ (یعنی کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ سے قائم ہے یا پھر تخلیق کی گئی ہے)

۲- ہماری کائنات کی تخلیق کیسے کی گئی؟

۳- ہماری کائنات کب وجود میں آئی یا اس کی عمر کتنی ہے؟

یہ سوال کہ کیا ہماری یہ کائنات حادث ہے یا قدیم؟ یہ انسانی فکر کا ایک قدیم ترین فلسفیانہ و مذہبی سوال ہے جو صدیوں سے فلسفے، سائنس اور مذہب میں زیر بحث رہا ہے۔ کائنات کے حادث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے اور اس کا ایک نقطہ آغاز ہے۔ جبکہ اس کے قدیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ازلی و ابدی ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں ہے؟ لہذا حادث اور قدیم کے اس بحث میں سائنسدانوں، متکلمین اور علماء کے درمیان یہ موضوع برابر زیر بحث رہا ہے۔ ہم نیچے ان قدیم فلاسفہ و متکلمین کی آراء اور جدید سائنسی تحقیقات کا ایک جائزہ پیش کریں گے اور آخر میں اس سلسلے میں وارد قرآنی بیانات سمجھنے کی کوشش کریں گے، جس سے اس سلسلے میں قرآنی بیانات کا اعجاز ظاہر ہوگا۔

فلاسفہ کا قدامت عالم کا نظریہ

یونانی فلاسفہ جیسے ارسطو اور افلاطون اس بات کے قائل تھے کہ کائنات قدیم ہے اور وہ ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ ارسطو Aristotle کا نظریہ تھا کہ کائنات کبھی پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ ازل سے موجود ہے۔ افلاطون Plato نے یہ موقف اپنایا کہ کائنات کسی خالق کے ذریعہ پیدا ہوئی، جس نے ازلی مادہ کو ترتیب دے کر کائنات بنائی، اس کی تخلیق ایک "ابدی ماڈل" پر ہوئی، اس لیے یہ قدیم ہے۔

مذاہب عالم کے عقائد

غیر براہیمی مذاہب میں ہندو مت میں کائنات کو ازلی اور غیر حادث مانا گیا ہے۔ مگر ہندو فلسفہ میں یہ کائنات پیدا ہونے اور فنا ہونے کے ایک ازلی چکر (سائیکل) میں جاری ہے جو اربوں سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ بدھ مت میں کائنات کو قدیم مانا گیا ہے جو مسلسل توسیع اور سکڑاؤ سے گزرتی ہے۔ جین مت Jainism میں کائنات غیر تخلیق اور لامتناہی ہے، بغیر آغاز یا اختتام کے، اور وہ خود کفیل ہے۔ سکھ مت میں کائنات کو تخلیق شدہ مانا گیا ہے جو ایک خدا کی تخلیق ہے۔ زرتشتیت zoroastrianism میں کائنات ایک ساختہ آغاز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دوسری طرف تمام براہیمی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کائنات کو حادث مانتے ہیں جس کو خدا نے عدم سے وجود بخشا۔ یہودی اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا نے کائنات کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جبکہ قرآن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ نے عظیم دھماکہ Big-Bang کے ذریعہ کائنات کی تخلیق کی ہے۔ اس پر تفصیلی بحث آگے ملاحظہ ہو۔

فلاسفہ اور متکلمین اسلام کے نظریات

مسلمان فلاسفہ میں ابن سینا، فارابی اور ابن رشد یونانی فلسفہ سے متاثر تھے، اور قدامت عالم کے نظریہ کے قائل تھے۔ امام غزالیؒ نے "تہافت الفلاسفۃ" میں یونانی اور مسلمان فلاسفہ کے اس نظریہ کی شدید مخالفت کی کہ کائنات قدیم ہے اور عقلاً یہ ثابت کیا کہ کائنات حادث ہے۔ امام غزالی کا کہنا تھا کہ اللہ کی ذات ہی کی طرح کائنات کو قدیم ماننا شرک کو لازم آئے گا۔

ابن رشد نے امام غزالی کے مذکورہ دلائل کا رد کیا اور قدامت عالم کے نظریہ کا دفاع کیا۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ کائنات مادے اور صورت کی شکل میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ اس طرح کائنات کے حادث یا قدیم ہونے کا مسئلہ قرون وسطیٰ کا ایک معرکۃ الآراء فلسفیانہ مسئلہ بنا رہا جو مسلمان فلسفیوں اور متکلمین اسلام کے درمیان صدیوں تک گرما گرم بحثوں کا موضوع رہا۔

تقریباً تمام متکلمین اسلام کے ہاں جزوی اختلاف کے ساتھ حدوث عالم کے قائل ہیں۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ اس بات کے قائل تھے کہ کائنات حادث ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ "الکون حادث من عدم محض" یعنی کائنات کو عدم سے وجود بخشا گیا۔ یہ اس سے پہلے بھی موجود نہ تھی۔ یہی عقیدہ آج تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور متکلمین اسلام نے اس کے لیے دو دلائل پیش کیے۔

۱- پہلا یہ کہ کائنات متغیر ہے اور ہر متغیر شئی حادث ہوتی ہے، لہذا یہ کائنات بھی حادث ہے۔

۲- دوسرا یہ کہ قدیم ایک ہی ذات ہو سکتی ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ اگر کائنات کو بھی اللہ کی طرح قدیم مان لیا جائے تو اس سے تعدد قدماء لازم آتا ہے، جو منطقی اعتبار سے ممکن نہیں۔

بعض مسلم فلاسفہ اور صوفیاء کے نظریات

مسلم دور میں بعض فلاسفہ اور صوفیاء قدامت عالم کے قائل تھے یعنی کہ دنیا ازل (ہمیشہ ہمیش) سے قائم ہے۔ اس کے اثبات میں وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ آدم سے پہلے بھی بے شمار مخلوقات ہماری زمین پر گزر چکی ہیں جن کا تذکرہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ہمارے آدم سے پہلے بھی زمین پر کئی آدم گزر چکے ہیں۔ لہذا جب ہمارے آدم سے پہلے بھی کئی آدم گزرے ہیں تو پھر دنیا حادث نہیں بلکہ قدیم ہوئی۔ مگر اس دور کے متکلمین مثلاً امام رازیؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اس کی نفی کی اور اس کے خلاف یہ دلیل پیش کی کہ اگر ماقبل آدم مخلوقات کی کثرت کو مان بھی لیا جائے تب بھی قدامت عالم کے مقدمہ کے لیے یہ دلیل ناکافی ہوگی کیونکہ زمین پر مخلوقات کی کثرت کے باوجود اس کی کہیں نہ کہیں ابتدا ہوئی ہوگی جس سے حدوث عالم کا اثبات ہوتا ہے۔ (دیکھئے: تفسیر کبیر، ۹/۲۰۲، فتاوی ابن تیمیہ)

جدید سائنسی تحقیقات

اب جدید سائنس کی جانب آتے ہیں کہ وہ کائنات کے حادث یا قدیم ہونے کے سلسلے میں کیا کہتی ہے؟ لہذا جدید سائنس نے یہ دریافت کرایا کہ ہماری کائنات قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق ہماری کائنات ایک عظیم دھماکہ Big Bang کے ذریعہ وجود میں آئی۔ یہ عظیم دھماکہ آج سے تقریباً 13.8 ارب (بلین) سال قبل ہوا، جس کو "بگ بینگ" کا نام دیا گیا۔ آج سائنس کی دنیا میں عظیم دھماکہ کا نظریہ کائنات کے آغاز کے متعلق سب سے مقبول اور سائنسی طور پر مستند نظریہ مانا جاتا ہے، جس کی قرآن و حدیث کے بیانات سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ہماری کائنات 13.8 ارب (بلین) سال قبل ایک نہایت گرم، کثیف اور چھوٹے نقطے singularity سے وجود میں آئی۔ اس نقطے میں توانائی اور مادہ اس قدر مرکوز تھا کہ اچانک ایک زبردست دھماکہ ہوا، جسے "عظیم دھماکہ" کہا جاتا ہے۔ دھماکے کے بعد کائنات انتہائی تیزی سے پھیلنا شروع ہوئی، جس سے وقت، خلا، مادہ اور توانائی وجود میں آئی۔ یہ نظریہ جدید کاسمولوجی cosmology کا بنیادی ستون ہے اور مشاہداتی ثبوتوں جیسے کائنات کی مسلسل توسیع expansion، "کائناتی پس منظر کی شعاع ریزی" Cosmic Microwave Background اور ہائیڈروجن، ہیلیم جیسے ہلکے عناصر کی وافر مقدار پر مبنی ہے۔

۱۹۲۹ء میں ماہر فلکیات ایڈون ہبل Edwin Hubble نے دریافت کیا کہ ہماری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ اس مشاہدے سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر کائنات آج پھیل رہی ہے تو ماضی میں یہ ایک چھوٹے نقطے سے شروع ہوئی ہوگی۔ اسی نقطۂ آغاز کو سائنسدانوں نے عظیم دھماکہ Big Bang کا نام دیا۔ دوسرا یہ کہ ۱۹۶۵ء میں سائنسدانوں نے "کائناتی پس منظر کی شعاع ریزی" Cosmic Microwave Background کو دریافت کیا، جسے اس عظیم دھماکے کی باقیات سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یہ دریافت بھی عظیم کائناتی دھماکے کے سلسلے میں مضبوط دلیل ہے۔

قرآنی بیانات

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں جہاں جگہ جگہ یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں (یعنی ہماری کائنات) کی تخلیق کی ہے اور کہیں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، وہیں اس میں علم الکائنات Cosmology کی ان دو اہم ترین تحقیقات کی جانب واضح اشارات بھی موجود ہیں جن میں پہلا نظریہ عظیم دھماکہ اور دوسرا نظریہ توسیع کائنات ہے۔ لہذا ایک جگہ تخلیق کائنات کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (انبیاء: ۳۰)

"کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے، لہذا ہم نے انہیں جدا کیا۔"

اس آیت میں واضح طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ زمین اور تمام اجرام سماوی ابتدا میں ملے ہوئے تھے یعنی کہ تمام کائنات ابتدا میں ایک جگہ ملی ہوئی تھی۔ یہی چیز جدید سائنس میں "عظیم دھماکہ" کا بنیادی ماخذ ہے یعنی وہ سائنس کا فیصلہ بھی ہے کہ ہماری زمین سمیت تمام اجرام سماوی ابتدا میں ایک ہی جگہ تھے۔ اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ توسیع کائنات کے متعلق اس طرح کہا گیا ہے:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (ذاریات: ۴۷)

"اور ہم نے آسمانوں (کائنات) کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم اس کو پھیلا رہے ہیں۔"

ان دو آیات میں علم الکائنات کے بعض اہم رازوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے جن کی جدید سائنسی تحقیقات سے مکمل طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ پہلا یہ کہ کائنات کی تخلیق عدم محض (لاشئ) سے نہیں کی گئی بلکہ ایک خاص قسم کے مادے سے کی گئی، جس کو قرآن مجید میں "رتق" کہا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ کائنات کا یہ تمام مادہ ابتدا میں آپس میں ملا ہوا تھا، اس پر لفظ "رتق" دلالت کر رہا ہے۔ تیسرا یہ کہ کائنات کی تخلیق ایک عظیم دھماکے کے ساتھ عمل میں آئی جس پر لفظ "فتق" دلالت کر رہا ہے۔ چوتھا یہ کہ تمام اجرام سماوی آج بھی ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں اور اس طرح ہماری کائنات مستقل طور پر پھیل رہی ہے، جس پر لفظ موسعون دلالت کر رہا ہے۔

یہاں بات سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں قرآنی بیانات کی تصدیق مکمل طور پر جدید سائنسی تحقیقات سے ہو رہی ہے۔ جبکہ قدیم فلاسفہ کے نظریات اور مذاہب عالم کے معتقدات کا اس سلسلے میں قرآنی بیانات سے کوئی موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہودیت اور عیسائیت میں ضرور اس کا ذکر موجود ہے کہ کائنات حادث ہے یعنی وہ تخلیق شدہ ہے جس کی تخلیق خدا نے کی ہے مگر اس کی تفصیلات میں بائبل میں بے شمار سائنسی اغلاط موجود ہیں جن پر تفصیل کسی اور موقع سے پیش کی جائے گی۔ تخلیق کائنات کے مزید دوسرے پہلوؤں پر بحث انشاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔

☆☆☆

والدین اپنے اہداف طے کریں

ام مسفرہ مبشرہ کھوت

جب کوئی شخص اپنی تعلیمی اسناد اور تجربات کا ریکارڈ لے کر کسی نوکری کے سلسلے میں انٹرویو کے لیے جاتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس جاب کو لے کر آپ کا مقصد کیا ہے؟ آپ یہ جاب کیوں چاہتے ہیں؟ اور اس سوال کا جواب انٹرویو دینے والے کی متانت اور سنجیدگی پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ بالکل، اسی طرح والدین بننا بھی ایک ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کے بھی اہداف و مقاصد ہونے چاہئیں۔ ہر ماں اور ہر باپ کے مقاصد مختلف ہوں گے، بڑے ہوں گے، چھوٹے ہوں گے، بہر صورت ان مقاصد کا ہونا اور ان مقاصد کو ذہن میں تازہ رکھنا اور ان مقاصد کے تحت تربیت کرنا والدین کے کردار کو بامعنی بنا دیتا ہے۔

پیرنٹنگ گول (Parenting Goal) سے مراد وہ اہداف یا مقاصد ہوتے ہیں جو والدین اپنے بچوں کی تربیت اور ترقی کی خاطر طے کرتے ہیں۔ والدین کے سامنے واضح مقصد ہوگا تو پرورش کا پورا عمل منظم و منضبط ہوگا لیکن اگر والدین بچوں کے متعلق اپنے کسی مقصد سے لاعلم اور لاپروا رہے تو پرورش بنا کسی جہت اور ضابطے کے ہوگی اور اس کے نتائج بھی ناقابل تعریف اور غیر مسرت بخش ہوں گے۔ آئیے ہم یہ جانیں کہ والدین کے پاس مقاصد کیوں ہونے چاہئیں، والدین کے اہداف کیا ہونے چاہئیں، ان کی مدت کیا ہونی چاہیے اور ان اہداف کے واضح اپلیکشن کیسا ہو۔

پیرنٹنگ گول کیوں ہونے چاہئیں

والدین کے شعور یا تحت الشعور میں بچوں کی تربیت کے سلسلے میں ایک خاکہ ہوتا ہے۔ اس خاکہ میں بچوں کے لیے کیے جانے والے کام، ان کے لیے دیکھے جانے والے خواب اور تربیت کے تئیں طے کیے گئے اصول ہوتے ہیں۔ یہ خاکہ پیرنٹنگ کا راستہ طے کرتا ہے۔ جس سے گزر کر والدین اپنے بچوں کو وہ مثالی انسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کا خاکہ ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ اگر والدین کے ذہن میں ایسا کوئی خاکہ نہ ہو تو بچوں کی صرف نگہبانی اور نگرانی ہو سکتی ہے البتہ تربیت نہیں ہو پاتی اور ایسی پرورش سے کسی خواب کی تعبیر اور کسی تمنا کی تکمیل کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

اسلام میں نیت (ارادے) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو تو معمول کے اعمال بھی عبادت بن جاتے ہیں اور اگر یہ نیت نہ ہو تو خالص عبادت کے بڑے بڑے اعمال رائیگاں ہو سکتے ہیں۔

لائف کوچنگ کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ کسی انسان کو زندگی میں کامیاب ہونا ہو تو اسے ماضی میں جینے اور مستقبل کے بارے میں بلاوجہ متفکر رہنے کے بجائے اپنے حال میں جینا ہوگا۔ ہمارے روزمرہ کے کام ہماری روٹین کا حصہ بن جاتے ہیں، ہم لاشعوری طور پر بھی بہت سے کام کر لیتے ہیں جیسے صبح صبح پوری آنکھ نہ کھلی ہو تب بھی دانتوں کو برش کرنا، دروازہ کھولنا، کھڑکی کھولنا، کھانا کھانا، دستخط کرنے کی عادت ہو تو بنا دیکھے دستخط کرنا، کسی سڑک سے روزانہ کا گزر ہو تو خود بخود دائیں بائیں مڑ جانا وغیرہ۔ ماہرین کی رائے ہے کہ اگر حال میں جینا ہو تو انسان کو ہر کام سے پہلے نیت کرنی ہوگی، ہر کام سے پہلے خود کو یاد دلانا ہوگا کہ یہ کام ہو رہا ہے اور جتنی آگہی حال کے متعلق ہوگی اتنا ہی انسان بے دار اور کامیاب ہوگا۔ غرض ہر کام کو شعور و ارادے کے ساتھ کرنا چاہیے۔

بچوں کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی والدین کے پاس مقاصد ہونے چاہئیں۔ وہ بطور والدین اپنے رول کو کس طرح دیکھتے ہیں اس کا جواب ان کے پاس ہونا چاہیے۔ والدین اپنے بچوں کی کیسی تربیت کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ان کا ذہن تیار ہونا چاہیے۔ اپنے بچوں کے لیے ان کے پاس خواب ہونے چاہئیں۔ والدین کو اپنے مقاصد کو ہمیشہ یاد رکھنا ہوگا اور اپنے آپ کو یاد دلاتے رہنا ہوگا مبادا ان کے اہداف کہیں نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں۔

پیرنٹنگ گول کے لیے مطلوبہ تیاری: بامقصد والدین بننے کے لیے دو جہتوں میں تیاری مطلوب ہے۔

اول تو ان کے رول کی مناسبت سے کہ وہ اپنی شخصیت کو ترقی دیں اور خود کو بہتر سے بہتر سانچے میں ڈھالیں اور دوم یہ کہ اپنی نسلوں کی بہتر تربیت کے لیے درکار تیاری۔

(الف) والدین کی خود اپنی تربیت

بعض والدین کو ایسا لگتا ہے کہ والدین بننے کے بعد وہ بالکل کامل ہو گئے ہیں اور بس اب انھیں بچوں کی تربیت پر توجہ دینی ہے۔ جب کہ ہر انسان کو ہوش سنبھالنے سے لے کر آخری سانس تک اپنی اصلاح پر توجہ دینی چاہیے۔ والدین کو اس بات کا شعور ہونا لازمی ہے کہ ان میں کیا اچھائیاں ہیں اور کیا خامیاں ہیں۔ اپنے رول کو لے کر ان کا ذاتی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی کمیوں کی اصلاح کرتے رہیں اور اپنی خوبیوں کو بڑھاتے رہیں۔

والدین کو دوسرے فرائض اور رول کے ساتھ اپنی اس خاص ذمہ داری کو نبھانے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا۔ اس کام میں اور باقی گھریلو زندگی میں توازن قائم رکھنا ایک بڑا چیلنج ہے جس کے لیے اپنی شخصیت کو تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

وقت کی بہتر منصوبہ بندی کرنی ہوگی تاکہ فضول کاموں اور لغویات میں وقت ضائع نہ ہو۔

والدین کو اپنی صحت کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ اچھی خوراک کھانا، اچھی نیند لینا، ورزش کرنا، ضروری اضافی غذائیں لینا، اپنا طبی معائنہ کراتے رہنا اور حسب ضرورت علاج پر توجہ دینا، وغیرہ۔ والدین کو اپنے بچوں کے لیے بنے گئے خواب کے علاوہ اپنے مقصد حیات کو بھی یاد رکھنا ہوگا۔ اپنے مشغلے کو اپنے ساتھ زندہ رکھنا ہوگا تاکہ وہ اپنی زندگی میں تازگی اور توانائی محسوس کرتے رہیں۔

والدین کو آپس میں اپنے تعلقات کو بہتر بنانے پر توجہ دینی ہوگی۔ ماں باپ کے باہمی تعلقات اور دیگر رشتے داروں سے تعلقات بچوں کی ذہنی صحت پر منفی یا مثبت اثر ڈالتے ہیں لہٰذا ان کو بہتر سے بہتر کرنا والدین کی کوششوں کا ہدف ہونا چاہیے۔

(ب) بچوں کی تربیت کے حوالے سے بچوں کے لیے والدین کے اہداف مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہو سکتے ہیں:

اخلاقی اور دینی تربیت، تعلیمی میدان میں کامیابی حاصل کرنا، جسمانی و ذہنی صحت، خود اعتمادی پیدا کرنا، سماجی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرنا، مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھانا اور قابلیت بڑھانا۔

پیرنٹنگ گول کی مدت: پیرنٹنگ گول کی مدت یا دورانیہ وقت کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں والدین ایک مخصوص مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں جو والدین نے بچوں کی پرورش سے متعلق طے کیا ہو۔ یہ دورانیہ مقصد کی نوعیت، بچے کی عمر، اور حالات کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ والدین کے پاس مختلف قسم کے مقاصد ہوتے ہیں، کچھ مقاصد چھوٹے ہوتے ہیں اور یہ مختصر سی مدت کے لیے ہوتے ہیں۔

بچہ کو عمر کی مناسبت سے کام سکھانا، کوئی اچھی عادت متعارف کروانا، کوئی عادت چھڑوانا۔

کچھ مقاصد بڑے ہوتے ہیں جن کے لیے والدین کو دیر تک محنت کرنی پڑتی ہے۔ تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی، شخصیت میں اعلیٰ قدروں کی شمولیت۔

اہداف کو مؤثر طریقے سے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک مناسب مدت (Duration) کا تعین کیا جائے۔ مدت کا انحصار مقصد اور ہدف کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ اگر والدین کے سامنے مقصد کے ساتھ ان کے حصول کی مدت واضح ہو تو تربیت کے اہداف اپنے درست وقت پر حاصل ہو سکتے ہیں، ورنہ تاخیر کبھی بہت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ بچے کس عمر میں نماز پڑھنا سیکھ لیں، کس عمر میں قرآن پڑھنا سیکھ لیں، کس عمر میں اپنے کون سے کام خود کرنا سیکھ لیں۔ تربیت کے اہداف کا درست وقت پر حصول بہت اہم ہے۔

جس طرح الارم لگانے سے وقت پر بیدار ہونے میں مدد ملتی ہے اسی طرح مختلف اہداف کی مدت طے کر دینا اپنے آپ میں ایک محرک ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے والدین پر ایک پریشر بنا رہتا ہے جو انھیں چست رکھتا ہے اور ان کا فوکس برقرار رہتا ہے۔

والدین کے لیے چند کارآمد تدابیر

اچھے ناموں کا انتخاب کریں: آپ اپنے بچے کو کیا بنانا چاہتے ہیں اور کس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں اس مناسبت سے بچے کے لیے نام کا انتخاب کریں۔ یا تو نام کا معنی ایسا ہو جو مقصد وجود کی عکاسی کرتا ہو یا اس نام کی کوئی عظیم شخصیت آپ کے خوابوں کی عکاسی کرے۔ اس طرح کے ناموں کے انتخاب سے بچوں پر بھی مثبت اثر پڑتا ہے اور والدین اور بچوں کے لیے تاعمر یاددہانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اچھا گمان رکھنا (Manifesting): ایک مشہور حدیث قدسی ہے: 'يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، فَلْيَظُنَّ بِي مَا شَاءَ'۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں، پس وہ میرے بارے میں جیسا گمان کرے، ویسا ہی پائے گا۔"

انیسویں صدی میں ماہرین نفسیات اور ماہرین روحانیت نے Manifesting کے عمل پر زور دینا شروع کیا۔ Manifesting کا مطلب ہے کہ آپ اپنی سوچ، یقین اور ارادے سے کسی خواہش یا خواب کو حقیقت میں بدلنے کی کوشش کریں۔ یہ تصور اس بات پر مبنی ہے کہ "جیسا آپ سوچتے ہیں، ویسا ہی آپ کی زندگی میں ہوتا ہے۔" مثلاً اگر آپ کسی چیز (گھر، گاڑی، بلند مقام، شہرت، پیسہ) کے بارے میں بار بار سوچتے ہیں، دل سے یقین رکھتے ہیں اور اس کے لیے عملی اقدامات کرتے ہیں، تو وہ چیز آپ کو مل جاتی ہے۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ جب انسانی دماغ کوئی خواہش مسلسل کرتا ہے تو دماغ سے ایک توانائی کا اخراج ہوتا ہے جو اس خواہش کو پورا کرنے میں مؤثر ہوتی ہے۔ اس لیے، بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کے بارے میں سوچتے ہیں یا خواہش کرتے ہیں اور وہ چیز ہمیں مل جاتی ہے۔

ماہرین نفسیات اور ماہرین روحانیت سے یہ تصور پا کر بہت لوگ بڑے نامور ہوئے۔ یہ تصور تو بس حال کی ایجاد ہے جب کہ حدیث قدسی تو ہمیں اللہ پر یقین واثق کا درس دیتی ہے کہ ہم جس طرح کا گمان کریں گے ہمارے ساتھ وہی ہوگا۔ یہاں ہمیں امام مالکؒ کی والدہ ماجدہ کو یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس طرح اپنے فرزند مالک کو کبوتر بازی اور گانے بجانے کے شوق سے دور رکھنے اور دینی علم سے جوڑنے کے لیے علمائے کرام کے لباس پہنایا کرتیں اور ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر اپنے سوالات پوچھا کرتیں۔ بچے کے ساتھ یہ چھوٹی سی اداکاری آخرکار مؤطا امام مالک کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ Manifestation کے عمل میں یہی ترغیب دی جاتی ہے کہ انسان اپنے خواب اور اپنے مقصد کو سوچے، یاد کرے، اسے تصور کرے، اس کی حصولیابی کی خوشی محسوس کرے، اس کی اداکاری کرے (مثلاً متعلق لباس پہن کر اپنے آپ کو وہی تصور کرنا، مخصوص انداز میں بیٹھ کر اپنے مقام کا تصور کرنا) اور اس مقام تک پہنچنے کی تدبیر کرے۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے لیے جو انھوں نے خواب دیکھے ہیں وہ انھیں یاد دلاتے رہیں اور اس مرتبہ کی حیثیت سے انھیں پکارا بھی کریں مثلاً مولانا صاحب، حافظ صاحب، ڈاکٹر صاحب، خطیب صاحب، مصنف صاحب، جج صاحب، پروفیسر صاحب وغیرہ اور نہ صرف پکارا کریں بلکہ ان کے مقام کے مطابق انھیں عزت بھی دیں، ان کے ساتھ ایسا رویہ رکھیں جو اس مرتبہ کو جچتا ہو۔ کوشش کریں کہ ان کے لباس کا چناؤ بھی ان کے لیے چنے گئے کیریر سے مناسبت رکھتا ہو۔ بچوں کے ساتھ مل کر ان کی فیلڈ کے متعلق تصاویر اور اشیا اکٹھا کیا کریں جیسے فیلڈ کے ماہرین کی تصاویر، کھلونے (ڈاکٹر سیٹ، بلڈنگ بلاکس، گاڑیاں)، کتابیں (بچوں کی وہ کتابیں جن سے انھیں اپنے مقصد کی طرف رہنمائی ملتی ہو)۔

والدین کو ڈائری بنانی چاہیے: والدین اگر اپنے ساتھ ایک ڈائری کا انتظام کرتے ہیں تو یہ یقیناً ان کی آسانی کے لیے ہی ہے۔ اس ڈائری کو پیرنٹنگ ڈائری کہا جا سکتا ہے جس میں والدین اپنی تربیت کی تحت مقاصد اور ان مقاصد کے لیے جانے والے اقدامات درج کر سکتے ہیں۔ ڈائری سے ہوتا یہ ہے کہ والدین اپنے اصولوں کو درج کر کے اس کا بہتر خلاصہ اور خاکہ بنا سکتے ہیں علاوہ ازیں والدین ان اصولوں کو نافذ کرنے کی تراکیب بھی لکھ سکتے ہیں۔ آج کل سوشل میڈیا پر بچوں کے لیے نت نئے نسخے بتائے جاتے ہیں لیکن، بہت زیادہ مواد دست یاب ہونے کی وجہ سے والدین تذبذب میں پڑ جاتے ہیں کہ کس تدبیر کو اپنائیں اور کیا ان کے بچے کے لیے غیر مناسب ہے۔ چنانچہ اس ڈائری میں وہ مختلف تدابیر کا اندراج کر سکتے ہیں تاکہ صریح طور پر وہ سمجھ سکیں کہ ان کے لیے کس ترکیب پر عمل کرنا اور عمل کروانا مفید، آسان اور پر لطف ہوگا۔ والدین ان کی روشنی میں خود بھی اپنے گھر کے ماحول کے مطابق نئی تدبیریں سوچ سکتے اور بروئے کار لا سکتے ہیں۔

وژن بورڈ: وژن بورڈ کسی ایک ادارہ یا شخص کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اس کا تصور آہستہ آہستہ بہت سی شخصیات کی مختلف تحقیقات کا نتیجہ ہے۔

(بقیہ صفحہ 4 پر)

زندگی میں جنت کی خصوصی بشارت پانے والے صحابی رسولؐ حضرت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

مولانا مفتی سید شاہ صادق انواری اشرفی
ایم اے اردو، میسور۔ لکچرر نور النبی عربک کالج بیجاپور کرناٹک
موبائل نمبر 09036543026

(19)

جنت کی خصوصی بشارت پانے والے رسول مکرم ﷺ کے صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن سلامؓ آپ کے جنتی ہونے پر حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو زمین پر چلنے والے کسی شخص کے متعلق یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے، سوائے عبداللہ بن سلام کے۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ کتاب فضائل الصحابہ۔ باب مناقب عبداللہ بن سلامؓ)

علامہ بدر الدین العینی اس حدیث مبارک کی شرح میں لکھتے ہیں: اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد (بن ابی وقاصؓ) نے یہ کیسے کہہ دیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اور باقی عشرہ مبشرہ کے بارے میں (جنتی ہونے کا) فرما رکھا ہے؟ اس کا جواب ان کی طرف سے (خطابی محدث) نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنے تزکیہ کو ناپسند کیا (کہ خود کو دوسروں کی نسبت بہتر جانیں) اور تواضع اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس (یعنی جنت) کا مستحق نہ سمجھا جس کا مستحق اپنے بھائی کو سمجھا۔ میں کہتا ہوں: بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ لفظ ما سمعت ان کے علاوہ دوسروں کے بارے میں جنت کی بشارت کی نفی ہرگز نہیں کرتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک کھانے کا تھال لایا گیا۔ حضور انور ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا اور کچھ باقی رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس راستے سے ایک جنتی شخص آئے گا جو اس بقیہ حصے کو کھائیگا۔ حضرت سعدؓ بھی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی حضرت عمیرؓ کو وضو کرتے ہوئے چھوڑا تھا، میں نے سوچا کہ (شاید) وہ عمیر ہی ہوگا، مگر حضرت عبداللہ بن سلامؓ تشریف لے آئے اور انہوں نے اُسے تناول کیا۔ اسے امام احمد، ابویعلی، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام بن حارث خزرجیؓ مجھے کا نام حصین تھا جسے تبدیل کر کے حضور نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ اسلام لانے سے قبل وہ یہودی عالم تھے۔ وہ بنی اسرائیل سے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمن کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ آپ یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہود کے بڑے عالم تھے۔ انھیں حضور انور ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہود کے جلیل القدر عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ آپ کا اصل نام حصین تھا اور وہ یہود بنی قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے یہ کلمات سنے: افشو السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلو باللیل والناس نیام ترجمہ: اپنے بیگانے سب کو سلام کیا کرو، بھوکوں، محتاجوں کو، کھانا کھلایا کرو اور خونی رشتوں کو جوڑے رکھو، قطع رحمی نہ کرو اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں یہ ہدایت آموز کلمات سن کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا دل نور ایمان سے جگمگا اٹھا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی بعثت کی پیشین گوئی صحائف قدیمہ میں درج ہیں۔ دوسرے دن رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے چند پیچیدہ مسائل دریافت کیے۔ حضور ﷺ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا، تو عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے قبول اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ (ﷺ) میری قوم بڑی بدطینت ہے۔ انھوں نے یہ سن لیا کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے۔ اس لیے میرے اسلام کی خبر کے اظہار سے پہلے ان سے دریافت کر لیں کہ ان کی میرے متعلق کیا رائے ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہود کے اکابر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم توریت میں نبی آخر الزماں ﷺ کی نشانیاں پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ میں تمھارے سامنے دین حق پیش کرتا ہوں۔ اسے قبول کر کے فلاح دارین حاصل کرو۔ یہودیوں نے جواب دیا ہم نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا: حصین بن سلام تمھاری قوم میں کیسے ہیں؟ سب یہودیوں نے بیک آواز جواب دیا: وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے عالم کے بیٹے ہیں وہ ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے۔ یہودی ناک بھوں چڑھا کر بولے اللہ انھیں آپ کی حلقہ بگوشی سے محفوظ رکھے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اب حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے اعیان قوم اللہ واحد سے ڈرو اور محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ، بلاشبہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قبول اسلام یہود پر برق خاطف بن کر گرا اور غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ یہ شخص (عبداللہ بن سلام) ہم میں سب سے برا اور سب سے برے کا بیٹا ہے۔ ذلیل بن ذلیل اور جاہل بن جاہل ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے یہود کی اخلاقی پستی دیکھ لی مجھے ان سے اسی افتراء پردازی کا اندیشہ تھا۔ (سیرت ابن ہشام)

اسم گرامی حضرت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن سلام۔ ابو یوسف کنیت، لقب حبر ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع میں سے تھے آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ عبداللہ بن سلام بن حارث قبیلہ بنو خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قواقل ہے عبداللہ اسی قواقل کے حلیف تھے۔ ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا مفصل حلیہ معلوم نہیں، بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے عصا لے کر چلتے تھے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے۔ (مسند) چہرہ پر خشوع کے آثار ہر وقت نمایاں رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ حضور انور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروکش ہوئے، اس کی خبر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو ہوئی، تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس گئے۔ پیارے آقا ﷺ نے پوچھا کہ ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب تر کس کا مکان ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں سب سے قریب رہتا ہوں یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا جب آپ کا مستقر متعین ہو گیا، تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ حضور انور ﷺ نے ان کو جواب دیا تو فوراً پکار اُٹھے۔ اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ ﷺ اس کے بعد کہا کہ یہود ایک افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن الرئیس ہوں۔ آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے؛ لیکن میرے مسلمان ہو جانے کی خبر نہ دیجئے گا، حضور انور ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا حضرت عبداللہ بن سلامؓ کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں جواب ملا کبھی نہیں، عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، حضور اکرم ﷺ نے آواز دی، تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکلے آئے اور یہودیوں سے کہا ذرا خدا سے ڈرو تمھیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول (ﷺ) ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور اس کے باوجود ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے، یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا انھوں نے غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمھارا باپ بھی بدتر تھا، (حضرت) عبداللہ (بن سلامؓ) نے کہا رسول اللہ ﷺ! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا۔ (بخاری شریف)

غزوہ بدر اور غزوہ احد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک غزوہ خندق میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ شریک تھے۔ اس لیے انھوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے ان میں بھی شامل ہوئے۔ عمر فاروقؓ کے سفر بیت المقدس میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان کے ہمراہ تھے۔

عہد نبوی ﷺ کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمر فاروقؓ صلح بیت المقدس کے لیے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی ساتھ تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانہ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں، فرمایا تمھارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر مجمع کو منتشر کرو، حضرت عبداللہ بن سلامؓ باہر تشریف لائے اور مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے: لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا (حصین) حضور انور ﷺ نے عبداللہ رکھا، میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ (الاحقاف: ۱۰) قُلْ كَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًۢا بَيْنِى وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلْكِتَٰبِ (الرعد: ۴۳) میری ہی شان میں اتری ہیں، خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمھارے شہر کو جو رسول اللہ ﷺ کا دار الہجرت ہے، اپنا نشیمن بنا لیا ہے؛ پس ڈرو خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمان غنیؓ) قتل نہ کرو، خدا کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمربستہ ہوئے تو تمھارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی وہ تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی؛ لیکن سنگدلوں پر اس پرزور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی، بولے کہ (نعوذ باللہ) اس یہودی اور (حضرت) عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو۔ (ترمذی شریف)

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافۃ تبدیل کرنا چاہا تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے آپ کو کہا، یا امیر المؤمنین رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خبر کی تو فرمایا وہ بیچارے نہایت نیک آدمی ہیں۔ (اصابہ)

تورات، انجیل، قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ان کا سینہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ تورات پر جو عبور تھا، اس کے متعلق علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: کان عبد اللہ بن سلام عالم اہل الکتاب و قفاضلھم فی زمانہ بالمدینۃ۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ مدینہ میں اہل کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے۔ قرآن مجید میں جہاں اہل کتاب کی تعریف آتی ہے۔ وہاں اکثر آپؓ ہی مراد ہوتے ہیں، بڑے فضائل و خوبیوں کے آپ مالک ہیں۔ (اسد الغابہ)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہو کر قرآن و حدیث کی طرف توجہ کی اور حدیث میں مرجع کل بن گئے اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں حدیث کے سب سے بڑے گنجینہ دار تھے۔ ان سے حدیثیں دریافت کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ ایک بار ملک شام گئے اور حضرت کعب احبارؓ سے یہ حدیثیں بیان کی کہ جمعہ میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اگر اس میں خدا سے کچھ مانگے تو اس کو ضرور دیتا ہے اس پر حضرت کعبؓ نے کچھ رد و قدح کی یہاں تک کہ اخیر میں حضرت ابوہریرہؓ کے موافق ہو گئے، حضرت ابوہریرہؓ نے مدینہ منورہ آ کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے یہ واقعہ بیان کیا، انھوں نے کہا (حضرت) کعبؓ نے جھوٹ کہا، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ انھوں نے میرے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، پھر فرمایا جانتے ہو وہ وقت کون سا ہے، یہ سن کر حضرت ابوہریرہؓ ان کے پیچھے پڑ گئے اور کہا کہ جلد بتلایئے، فرمایا عصر اور مغرب کے درمیان، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے عصر اور مغرب کے درمیان کوئی نماز ہی نہیں فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ گویا نماز ہی میں ہوتا ہے۔ (مسند)

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے صرف 25 روایتیں منقول ہیں، راویوں میں بعض حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں، حضرت انس بن مالک، حضرت زرارہ بن اوفی، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن معقل، حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ تلامذۂ خاص کے نام حسب ذیل ہیں: حضرت خرشہ بن الحر قیس بن عباد، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن، حضرت حمزہ بن یوسف (پوتے) حضرت عمرو بن محمد (پوتے) حضرت عوف بن مالک، حضرت ابو بردہ بن ابوموسیٰ، حضرت ابوسعید المقبری، حضرت عبادہ الزرقی، حضرت عطاء بن یسار، حضرت عبیداللہ بن حبیش غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ایک خاص حدیث منقول ہے۔ جس کے اخیر میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو جمع کر کے سبح للہ کی چند آیتیں پڑھیں، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے وہی آیتیں پڑھیں اور پھر بالترتیب حضرت عطاء بن یسار، حضرت ہلال بن ابی میمونہ، حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے زمانہ میں اس سنت کو قائم رکھا، لیکن حضرت یحییٰؒ کے شاگرد اور حضرت اوزاعیؒ پر پہنچ کر اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ (مسند)

اخلاقی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا پایۂ عظمت بہت بلند ہے۔ صحیح آپ کے فضائل مضمون کی ابتداء میں گزر چکے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاگردوں سے فرمایا کہ میں دنیا سے اٹھ رہا ہوں؛ لیکن میرے ساتھ علم نہیں اٹھتا جو شخص اس کی جستجو کرے گا پالے گا، اس کے بعد چار شخصوں کے نام گنائے جن میں ایک حضرت عبداللہ بن سلامؓ تھے فرمایا: (ترمذی شریف) کان یہودیا فاسلم فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انہ عاشر عشرۃ فی الجنۃ۔ پہلے وہ یہودی تھے، پھر مسلمان ہوئے اور میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گیارہویں جنتی ہیں۔ اس فضیلت کے باوجود بڑے منکسر المزاج تھے، مسجد نبوی میں ایک دن نماز کے لیے آئے اور لوگوں نے کہا کہ یہ جنتی شخص ہیں تو فرمایا جس بات کو آدمی جانتا نہ ہو اس کو زبان سے نکالنا نہ چاہیے، اس کے بعد اپنے اس خواب کا ذکر کیا جس کی حضور انور ﷺ نے تعبیر دی تھی کہ تم اسلام پر تمام عمر قائم رہو گے۔ (بخاری شریف) اس واقعہ کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی ملا یا جائے تو انکسار کا نہایت مکمل اور دیدہ زیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس سے خدا نے مستغنی کیا ہے، فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے؛ لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں۔ (تذکرۃ الحفاظ) حق و صداقت کا جوش بے اندازہ تھا، فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی، اُس وقت اگر مجھ میں قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا۔ (ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں) حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں سن ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے دو بیٹے یادگار چھوڑے، حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام اور حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں رسول اکرم ﷺ کے حیات ظاہری میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یوسفؓ بڑے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا تھا۔ (مسند) ☆

شیخ الاسلام عارف باللہ الامام محمد انوار اللہ فاروقیؒ

بانی جامعہ نظامیہ کی مایہ ناز تصنیف ''حقیقۃ الفقہ''

(15)

سرسید صاحب کوانکار جن کی ضرورت کیوں ہوئی؟

ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ سر سید صاحب نے دیکھا کہ قرآن شریف میں جنات کا ذکر ہے اور نئی روشنی والے ہر بات میں مشاہدہ طلب کرتے ہیں اور جنوں کومحسوس کر کے دکھلانا اپنے امکان سے خارج ہے، اس لئے انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ اُن کے وجود ہی کا انکار کردیا جائے اور ایک رسالہ لکھ دیا جس کا نام تفسیر الجن والجان ہے، اُس میں اُن تمام آیتوں کی تاویلیں لکھیں جن میں جنات کا ذکر ہے اور بڑی تلاش سے جاہلیت کے چند اشعار نقل کئے جن کا مضمون یہ ہے کہ بدو جو جنگل اور پہاڑوں میں رہتے تھے نظر بچا کر آئے۔ اِن اشعار میں بدو پر جن کا اطلاق کیا گیا جیسے آج کل سخت بخیل کو جن کہا کرتے ہیں، مگر سرسید صاحب نے اُس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جنگل اور پہاڑوں میں رہنے والے آدمیوں کو جن کہا کرتے ہیں اور یہی حقیقت جن ہے اور لکھا ہے کہ اہل لغت کو یہ بات معلوم نہ تھی ،اس لئے انھوں نے اُس کے معنی نہیں بتلائے اور سخت غلطی کی۔

اسپر ترم سے ارواح اور جنات کا ثبوت

یہ تقریر سرسید صاحب کی کمال مجبوری کی حالت میں تھی کہ حکمت جدیدہ سے عاجز ہوکر جواب کا یہ طریقہ سوچا مگر اب اُس کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ خود اہل یورپ وامریکہ نے جنات کے وجود کو مان لیا ہے، چنانچہ علامہ محمد فرید وجدی نے کنز العلوم واللّغہ میں لفظ''اسپر ترم'' کی تحقیق میں لکھا ہے کہ پیشتر حکماء مادئیین وغیرہم کا قول تھا کہ آدمی کی روح اسی قسم کی ہے جو جانوروں میں ہوا کرتی ہے، کوئی خاص قسم کی چیز نہیں، جو مرنے کے بعد باقی رہے، بلکہ آدمی کے ساتھ وہ بھی فنا ہوجاتی ہے، مگر 6481ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امریکہ کی ایک بستی میں جس کا نام''بید سفیل'' ھے ، ''فیکمان'' نام کے ایک شخص نے رات کے وقت اپنے گھر کی زمین پر متعدد کھٹکے سنے، بہتیرا تلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ لگا اور اسی قسم کا واقعہ''جان فوکس'' کے گھر میں بھی ہوا، اُس کی عورت نے کھٹکوں کی آواز پر غیبی شخص سے کہا کہ اگر تو کوئی روح ہے تو دس مار زمین پر مار، چنانچہ دس مار کے کھٹکوں کی آواز اُس نے سنی، پھر اُس عورت نے کہا: میری لڑکی ''کاترینہ'' کی عمر کتنی سال کی ہے، اُس نے اتنے ہی کھٹکے مارے جتنے سال کی عمر اُس کی تھی۔ غرض چند امتحانوں کے بعد اُس کو یقین ہوا کہ وہ کسی آدمی کی روح ہے پھر اسی قسم کے متعدد واقعات پے درپے ہوئے اور اُس کی تحقیقات شروع ہوئی، ''ادمون'' جو وہاں کا مقنن تھا اُس نے پوری تحقیق کر کے ایک ضخیم کتاب اثبات روح میں لکھی اور اُسی کی تائید میں استاد فن کیمیا ''مابس'' نے بھی ایک کتاب لکھی پھر تو متعدد کتابیں لکھی گئیں اور عام شہرت ہوگئی جب اس کے چرچے برطانیہ میں ہونے لگے تو ''کروکس صاحب'' جو پارلیمنٹ کے ممبر تھے انہوں نے بھی ایک کتاب اُس کی تائید میں لکھی جس میں اپنے چشم دید واقعات بیان کئے اور اس مسئلہ کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ اخباروں میں اس کے متعلق مضامین شائع ہونے لگے مگر مادئیین حکماء اس خیال کے سخت مخالف تھے ، بالآخر 9681ء میں خاص اس کی تحقیق کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی جس میں برطانیہ، امریکہ اور اطالیہ کے نامی فلاسفر' ڈاکٹر اور ماہرین فن فزیولوجی اور طبعیات اور ریاضی اور ہندسہ وغیرہ اُس کے ارکان مقرر ہوئے اور اٹھارہ مہینے برابر تحقیق ہوا کی جس سے مثبتین روح کا دعویٰ ثابت ہوا، چنانچہ جتنے اراکین مجلس اس مسئلہ میں مخالف تھے سب نے بالاتفاق اپنے چشم دید خوارق عادات لکھ کر اقرار کیا کہ واقعی ارواح متشکل ہوتی ہیں، وہم کو اُس میں کوئی دخل نہیں اور لکھا ہے کہ جب تدابیر سے روحیں بلائی جاتی ہیں تو پہلے ایک روشن ابر سامحسوس ہوتا ہے، پھر وہ بتدریج انسانی شکل قبول کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں ایک عربی بدوی کی شکل میں متشکل ہوجاتا ہے جس کا گوشت نہایت نرم ہوتا ہے کہ اگر اس کو دبایا جائے تو ہاتھ اُس میں دھس جاتا ہے۔ اس تحقیق سے روحوں کا متشکل ہونا ثابت ہے، اور ممکن ہے کہ اُن کو بھی یہ قدرت حاصل ہو، اسی طرح جنات کا اشکال بدلنا بھی ثابت ہے جس پر ہر زمانہ کے اخبار کا تواتر گواہ ہے۔ اسی وجہ سے حکمائے مذکورین میں سے بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مُردوں کی روحیں ہیں یا اور کوئی چیزیں دوسرے عالم کی ہیں۔

علامۂ موصوف نے لفظ جنون کی تحقیق میں مجلۂ روحیہ سے لکھا ہے جو فرانس سے شائع ہوتا ہے کہ استاذ''ہیزلوپ'' امریکی جو تحقیق نفس کی کمیٹی کا رکن رکین ہے، اُس نے ڈاکٹروں میں اشتہار شائع کئے کہ جنون ہمیشہ دماغی خلل سے نہیں ہوتا، بلکہ کبھی بعضے شریر ارواح کے مسلط ہونے سے بھی ہوا کرتا ہے جس کے لئے وہ علاج جو ڈاکٹروں کو معلوم ہے، مفید نہیں ہوسکتا۔

عاملوں کے متواتر مشاہدات سے ثابت ہے کہ ارواح خبیثہ اور جنات دونوں مسلط ہوا کرتے ہیں اور عملیات کے ذریعہ سے دفع ہوجاتے ہیں جس کو نئی روشنی والے وہم اور خیال کہا کرتے تھے، مگر جب جدید تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ وہ واقعی ہیں، وہم کو اُس میں کوئی دخل نہیں، تو اب عاملوں کی خبروں کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ، بہرحال جنات کا وجود ہر طرح سے ثابت ہے۔

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ تحقیق سرسید صاحب کے زمانہ میں مشہور ہوگئی ہوتی، تو نہ اُن کو جنات کے انکار کی ضرورت ہوتی نہ خوارق عادات کے ابطال کی حاجت، کیونکہ اُن کو یہ تومنظور ہی نہ تھا کہ خواہ مخواہ قرآن کو رد کریں، اب اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جس طرح اُن کی تاویلیں جنات کے وجود کے باب میں بے ضرورت اور خلاف واقع ثابت ہوئی، اسی طرح آسمان وغیرہ کے وجود کے مسئلہ میں بھی یقیناً خلاف واقع ثابت ہوں گی، کیونکہ خدا اور رسول کے کلام میں خلاف واقع ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا، مگر اب یہ دیکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کو اس انتظار کی کیا ضرورت ، جب ہمیں یقیناً معلوم ہوگیا کہ ہماری درایت میں اکثر خطا ہوتی ہے، تو صحیح صحیح روایتوں میں کیوں کلام کیا جائے، بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ مخالف بعضے دینی مسائل پر ہنسیں گے، پھر اس سے کیا ہوتا ہے، کئی مسائل میں ہمیں بھی ان کی عقل بے اصل تحقیقات پر ہنسنے کا موقع حاصل ہوگیا ہے جس سے جواب ترکی بہ ترکی ہوجائیگا، اب اگر اس پر بھی کسی کو صحیح صحیح روایتوں پر ایمان لانے کی ہمت نہ، ہوتو یہ سمجھنا چاہئے کہ سرے سے ایمان لانا ہی اُس کو منظور نہیں ، حکمت جدیدہ کا صرف حیلہ ہے۔

درایت سے اغماض کرنا بھی فطرتی ہے

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ آدمی درایت سے تو کام لیتا ہے، مگر بہت سے مواقع میں درایت سے اغماض کرنا بھی اُس کی طبیعت کا مقتضی ہے، چنانچہ لڑکے کو جب اُس کے ماں باپ کی خبر دی جاتی ہے تو یقیناً اُن کو اپنے ماں باپ سمجھ لیتا ہے، اسی طرح دادا وغیرہ اہل خاندان کی قرابت کی تصدیق مجرد خبر سے کرلیتا ہے، شاید بعضے لوگ ایسے بھی ہوں کہ ایک شخص کی گواہی کو کافی نہ سمجھ کر دل میں یہ خیال کرتے ہوں گے کہ بلا تحقیق اور ثبوت کافی کسی کو اپنا باپ کہنا، ننگ وعار اور خلاف درایت ہے، مگر اُن کو بھی ایسے رکیک احتمالات سے اغماض ہی کرنا پڑتا ہے، اور اگر کوئی ایسے احتمالات پیش کر کے اُن کے نسب میں کلام کرے تو اُس سے غالباً ناخوش ہوں گے، اس سے ظاہر ہے کہ بزرگوں کی بات کا یقین کرلینا آدمی کی فطرت میں داخل ہے، اب یہاں غور کیا جائے کہ کونسی چیز ہے کہ اس موقع میں احتمالات عقلیہ کو ہٹا کر مجرد خبر کو قابل اعتماد بناتی ہے، بات یہ ہے کہ بزرگوں کی محبت اور وقعت آدمی کے دل میں ایسی متمکن ہوتی ہے کہ اُس کی خبر کی مخالفت کا خیال تک دل میں نہیں آتا، اسی طرح جس استاد اور پیر کی وقعت کسی کے دل میں ہوتی ہے، تو وہ جو کچھ کہتا ہے اُس کی تصدیق وہ کرلیتا ہے، اس وجہ سے محدثین جن استادوں کو معتمد علیہ سمجھتے تھے اُن کی حدیثوں کی صحت کا یقین اُن کو ہوجاتا تھا اور نہایت جزم اور وثوق سے اُن کی روایتیں بیان کرتے تھے، اگر یہ اعتماد اُن کو نہ ہوتا تو جس طرح غیر معتبر اُستادوں کی روایتوں کو ترک کردیتے تھے، اُن کی روایتوں کو بھی ترک کردیتے، غرضکہ اپنے بزرگوں کی بات کا یقین کرلینا آدمی کی فطرتی بات ہے اور جس کو وہ اپنا بزرگ اور مقتدا نہیں سمجھتا، اُس کی بات کو نہیں مانتا اور پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ بات درایت کے خلاف تو نہیں ، پھر درایت کے خلاف نہ بھی ہو تو اس شرط پر مانتا ہے کہ اپنے حق میں کسی طرح مضر نہ ہو اور اس ماننے میں بھی وہ جزم نہیں ہوتا جو معتمد علیہ کی خبر میں ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قاعدۂ مذکورہ کہ روایت پر درایت مقدم ہے، اپنے بزرگوں کی خبر کی نسبت خلاف فطرت انسانی ہے، البتہ اُس شخص کے حق میں یہ قاعدہ صحیح ہوگا جو بزرگان دین کو اپنے بزرگ نہیں سمجھتا، چنانچہ اسی وجہ سے یہود ونصاریٰ وغیرہم ہمارے دین کی باتوں کو نہیں مانتے، گو کیسی ہی مطابق عقل ودرایت ہوں اور اپنے دین کی باتوں کو خلاف عقل ودرایت (ا) ہی کیوں نہ ہوں مان لیتے ہیں، چنانچہ بائبل جس پر تمام یہود ونصاریٰ کا اعتقاد ہے اور جس کو کتاب آسمانی سمجھتے ہیں، اُس میں عجیب عجیب باتیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ ہمارے دین کی باتوں کے مقابلہ میں یہ قاعدہ پیش کرتے ہیں، وہ ہمارے دین سے اجنبی اور بیگانے ہیں، مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ بیگانوں کی باتوں کو سن کر خود بھی اپنے دین سے بیگانے بن جائیں، بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ ایسے لوگوں کا وہی جواب ہوگا جو دوسرے دین والوں کا جواب ہوتا ہے اور اگر جواب نہ دے سکیں تو اُس کا ملال نہ کریں، اس لئے کہ ہر شخص کل مذاہب باطلہ کے جواب کہاں تک دے سکے اور یہ خیال کرلیں کہ تیرہ سو سال سے کروڑہا مسلمان جس طرح اپنے دین کی حفاظت کرتے آرہے ہیں، ہمیں بھی اُسی طرح حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔

(جاری)

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کشادگی اور فراخی یقین اور رضا میں ہے۔ اور فکر اور رنج، شک اور ناراضگی میں ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں صبر کرنے والے کو سب سے اچھا پھل ملتا ہے۔ ابان بن تغلب کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی کو کہتے سنا: انسانی اقدار میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جب کسی پر مشکل آپڑے وہ اس پر صبر کرے اور اپنے کو یہ امید دلائے کہ وہ ختم ہوجائے گی، ایسے یقین کے ساتھ کہ گویا وہ اس سے خلاصی کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ اللہ پر توکل کرے اس سے حسن ظن رکھے جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے گی تو بغیر کسی تاخیر کے اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا، اس کی تکلیف دور کردے گا۔ اس کے دین مروت اور آبرو کی حفاظت فرمائے گا۔ اصمعی نے ایک اعرابی سے یہ نقل کیا ہے کہ خیر کی جگہ سے شر سے ڈرو اور برائی کی جگہ سے خیر کی امید کرو، کیونکہ بسا اوقات زندگی کی طلب موت کا اور موت کی طلب زندگی کا سبب بن جاتا ہے، زیادہ تر امن وہاں سے ملتا ہے جہاں سے خوف کا ڈر ہوتا ہے۔

بقول شاعر: جب عنایت ربانی نگرانی کررہی ہو تو آرام سے سوجاؤ کہ تمام حادثے بھی امان بن جائیں گے۔

قطری بن الفجاۃ نے کہا: جنگ کے دن کوئی بھی پیچھے نہ ہٹے، موت سے نہ ڈرے، میں دائیں اور بائیں سے اپنے کو نیزوں سے گھرا پاتا ہوں۔ میرا جتنا خون بہا اس سے لگام بھی تر ہوگئی ، پھر میں جنگ سے لوٹا اس حال میں کہ میرا نشانہ پورا ہوگیا تھا اور میری بصیرت تیز اور میرا اقدام سخت تھا۔

ایک حکیم کا قول ہے: عقلمند اپنے اوپر آئی مصیبت پر دو باتوں سے تسلی پاتا ہے، نمبر ایک یہ کہ جو باقی ہے اس کی خوشی سے۔ دوسرے جو مشکل آتی ہے اس سے خلاصی کی امید سے۔ جاہل مشکل کو دو چیزوں سے اور زیادہ رنگ ہوتا ہے۔ جس چیز کا اس نے سہارا لیا ہے اس کی بڑھوتری کی خواہش۔ دوسرے اس مشکل سے بڑی مشکل میں مبتلا ہوجانے کا خوف۔ کہا جاتا ہے کہ مصیبتیں اللہ کی جانب سے بندوں کی تادیب ہے اور تادیب سے دل آنکھیں اور کان کھل جاتے ہیں۔ الحسن بن سہل کہتے ہیں۔

مصیبتوں میں گناہ سے تطہیر، غفلت سے تنبیہ، صبر سے ثواب، نعمت کی تذکیر اور اللہ کی نظر میں منتخب قرار پاتا ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں جو جاوداں زندگی کے لئے موت کی تلاش میں رہتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے پیچھے بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اگر انہوں نے ہماری بات مانی ہوتی تو قتل نہ کئے جاتے ، کہہ دو تم اپنے آپ سے موت کو ٹال دو اگر سچے ہو۔ (۱۶۸:۳)

☆☆☆

حضرت الشیخ الجیلانیؒ کے فرمودات نقوش راہ

امت اور اسکے علماء و شیوخ کے لئے پیغام اصلاح ودعوت

مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیمؔ
Cell No. 9848862786

انبیاء کرام علیہم السلام اور خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد خداترس علماء وصلحاء نے انسانیت کو اسلام کی دعوت دی ہے اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی اسی پیغام رحمت کی اشاعت کو نصب العین بنایا ہے، آپ علیہ الرحمہ اولیاء کبار میں بڑا مقام رکھتے ہیں، علوم شریعت وطریقت کے آفتاب ومہتاب تھے، کتاب وسنت کی پاکیزہ تعلیمات سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرنے کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے ،آپؒ کی مبارک زندگی شان بندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ معرفت ربانی سے آپؒ کا سینہ ایسا معمور ہوگیا تھا جس کی نورانی شعاعیں آپؒ کی عملی زندگی سے جھلکتی تھیں، آپؒ کے اقوال وافعال یہاں تک کہ آپ کے پاکیزہ احساسات وجذبات کی نورانیت آپ کی جلوتوں اور خلوتوں سے آشکار تھی۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو انسانیت کی صلاح وفلاح اور اس کی اخروی نجات کا جو دردبخشا گیا تھا اس کا کچھ حصہ جن خاصان خدا کو بخشا گیا ان میں ایک عظیم اور منفرد ذات سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی ہے، آپؒ نے پورے خلوص وانہماک کے ساتھ وعظ وارشاد کی مسند کو زینت بخشی ،انسانی نفوس کی اصلاح، ان کی تربیت اور ان کے قلوب کا تزکیہ وتصفیہ کا فرض جس جانفشانی کے ساتھ ادا کیا ہے وہ عدیم النظیر ہے۔ ایمان کا شعور بخشا ،اعتقادات کی اصلاح کی ، دل کی کدورتوں اور نفاق کے مرض کو سینوں سے پاک کرنے میں شب وروز مصروف رہے ، مجالس وعظ میں موت وآخرت کی تذکیر مؤثر انداز میں ہر آن جاری رہی، آخرت کی حیات جاودانی کا راز دلنشین فرما کر اس سرائے فانی یعنی دنیا کی بے ثباتی انسانی قلوب میں راسخ کی۔ اخلاص وللّٰہیت، رضاء رب کی چاہت کے چراغ دلوں میں روشن کئے، کفر وشرک کے پراگندہ ماحول میں توحید کا نور پھیلایا، عقیدۂ توحید میں کمزور سینوں کو نور توحید کی حقانیت سے گرمایا، توحید باری کی اہمیت آپؒ کی اس وصیت سے معلوم ہوتی ہے جو دنیاء فانی سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے فرزند رشید شیخ عبدالوہابؒ کو فرمائی تھی۔ علیک بتقوی اللّٰہ ولا تخف احدا سوی اللّٰہ ،ولا ترج احدا سوی اللّٰہ ، وکل الحوائج الی اللّٰہ عزوجل، ولا تعتمد الا علیہ ,واطلبہا جمیعا منہ ، ولا تثق باحد غیر اللّٰہ عزوجل ,التوحید ,التوحید ,التوحید جماع الکل۔ (فتوح الغیب:۶۷ا) ''اے بیٹے! اللہ سے خوف اور اس کا تقوی اپنے اوپر لازم کرلو، اللہ سبحانہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرو نہ تو اس کے سوا کسی اور سے امید باندھو، اور اپنے تمام حوائج کو اللہ سبحانہ کے سپرد کردو، جو مانگنا ہو اسی سے مانگو اس کے سوا کسی اور پر اعتماد وبھروسہ نہ کرو، اللہ سبحانہ بڑی عزت وجلال والا ہے، توحید پر مضبوطی سے جمے رہو، توحید ہی ہر شئی کی اصل ہے۔ التوحید کو تکرار کے ساتھ تین مرتبہ فرمایا۔ یہ بھی وصیت فرمائی۔ لا محیص لمخلوق من القدر المقدور الذی خط فی اللوح المسطور وان الخلائق لو جھدوا ان ینفعوا المرأ بما لم یقضہ اللّٰہ تعالی لم یقدروا علیہ ، ولو جھدوا ان یضروہ لما لم یقضہ اللّٰہ علیہ لم یستطیعوا کما ورد فی خبر ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال: قال اللّٰہ تعالی: وان یمسسک اللّٰہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو، وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ ، یصیب بہ من یشاء من عبادہ (الغنیۃ:۱۴۰) اور اس بات پر بھی یقین رکھو کہ لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے جو تقدیر لکھ دی ہے اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا اور اگر ساری مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو ضرر پہنچانے کی کوشش کرے تو نہیں پہنچاسکتی ،جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، حضرت الشیخ کے فرمان میں جس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر پیچھے تھا، آپ نے فرمایا اے پیارے بیٹے! بیشک میں تمہیں چند اہم باتیں سکھلا رہا ہوں تم اللہ سبحانہ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ سبحانہ کے حقوق کا خیال رکھو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سبحانہ سے مانگو، جب مدد چاہو تو صرف اللہ سبحانہ سے طلب کرو، اور یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت تمہیں کچھ نفع پہنچانے کے لئے جمع ہو تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ نفع نہیں پہنچاسکتی جو اللہ سبحانہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچاسکتی جو اللہ سبحانہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہوگئے ہیں'' (سنن ترمذی ۴/۶۶۷) اس کے بعد شیخ نے فرمان الٰہی کا ذکر فرمایا اگر تجھے اللہ سبحانہ تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کو اس کے سوا کوئی اور دور نہیں کرسکتا اور اللہ سبحانہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل وکرم کو روکنے کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کی طاقت نہیں، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔

اور فرماتے ہیں ساری مخلوق عاجز ومجبور ہے نہ کسی کو نفع پہنچاسکتی ہے نہ نقصان ،اور فرماتے ہیں۔ بہادر اور دانشمند وہ ہے جس نے اپنے قلب کو اللہ کے سوا ہر غیر سے پاک کرلیا ہو، اس کے دل کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر ہو مخلوق میں سے کسی کو قلب میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے بلکہ اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرلے، اور فرماتے ہیں۔ دنیا ہاتھ میں یا جیب میں رہے یا کسی اچھی نیت سے اسے جمع رکھے یہ سب درست وجائز ہے، دل میں اس کو رکھنا جائز نہیں۔ اس پر عمل کرنے والے کیلئے اللہ سبحانہ کے ہاں عزت ہے اور اگر دنیا دل کے دروازہ سے اندر داخل ہوجائے تو یہ درست نہیں اور یہ خلاف عزت اور مومن کی شان کے مغائر ہے، آپ فرماتے ہیں۔ ان کمال الدین فی شیئین فی معرفۃ اللّٰہ تعالی واتباع سنۃ رسول اللّٰہ ﷺ۔ دین کا کمال دو چیزوں میں ہے: پہلا اللہ سبحانہ کی معرفت میں جس کا منبع کتاب اللہ ہے۔ دوسرے سنت میں یعنی احادیث نبوی ﷺ کی اتباع وپیروی میں ہے اور فرماتے ہیں۔ اتنا ہی کافی نہیں بلکہ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو اور ان دونوں کے احکام پر عمل کرو، اوامر کو بجالاؤ اور نواہی سے باز رہو، اصول وفروع میں ان (کتاب وسنت) کے پابند رہو یہ دونوں پرندے کے دو پر کے مانند ہیں جن سے پرواز کر کے اللہ کا بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ فعلیک بالتمسک بالکتاب والسنۃ والعمل بہما امرا ونہیا اصلا وفرعا فیجعلہا جناحیہ یطیر بہما فی الطریق الواصل الی اللّٰہ عزوجل۔ اور فرماتے ہیں''صرف قرآن وسنت پر عمل کرو۔ اس کے سوا ہر چیز سے اپنے کان بند کرلو۔ فیعمل بالکتاب والسنۃ ویصم عما سوی ذلک۔ چنانچہ دین اسلام کے اوامر ونواہی مکمل ہوگئے تو اللہ سبحانہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' (المائدہ:۳) کی آیت نازل فرمائی۔ اذا تمت الاوامر والنواہی انزل اللّٰہ علی رسولہ فی حجۃ الوداع الیوم اکملت لکم دینکم الخ۔ اور فرماتے ہیں: اب ہمارے لئے راہ نجات صرف کتاب وسنت میں ہے، اختلاف کو ختم کرنے میں کتاب وسنت کی اتباع مؤثر ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی اور ہمارا نبی نہیں کہ ہم اس کی اتباع کریں اور نہ قرآن حکیم کے سوا کوئی کتاب ہدایت ہے کہ اس کے احکام پر ہم عمل کرسکیں، اس کی خلاف ورزی میں ہلاکت وتباہی کا سامان ہے۔ لیس لنا نبی غیرہ فنتبعہ ولا کتاب غیر القرآن فنعمل بہ فلا تخرج عنہما فتہلک۔ دونوں جہاں کی سلامتی کا راز ان دونوں کی اتباع وپیروی میں ہے اس کے سوا کسی اور پر عمل بربادی وہلاکت ہے، مقام ولایت وغوثیت اور مرتبہ بدلیت (ابدال کا رتبہ) پانا چاہیں تو یہی کتاب وسنت پر عمل ہی سے ممکن ہے۔ فالسلامۃ مع الکتاب والسنۃ والہلاک مع غیرہما ، وبہما یرتقی العبد الی حالۃ الولایۃ والبدلیۃ والغوثیۃ (فتوح الغیب،الجزء الحادی والثلاثون) آپؒ نے ایک وعظ ارشاد فرمایا جس میں قلب کی طہارت وپاکی کیلئے ایک نسخہ کیمیا تجویز فرمایا ''سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قلوب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، تلاوت قرآن ،موت کی یاد، مواعظ کی مجالس میں حاضری سے دل صیقل ہوتے ہیں یعنی دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے۔ دل کو صیقل کرنے کیلئے ان کا اہتمام نہ کیا گیا تو پھر یہ زنگ سیاہی کا روپ دھار لیتا ہے جس سے قلب سیاہ ہوجاتا ہے، دنیا کی محبت اس سیاہی کی وجہ غالب آجاتی ہے، تقوی سے محرومی کی وجہ دیوانہ وار وہ دنیا پر مرنے لگتا ہے، پھر آپؒ نے فرمایا رسول پاک ﷺ کے ارشاد کی روح کو سمجھو اور اپنے دلوں کا زنگ اس دوا سے دور کرلو جو تم پر ظاہر کردی گئی ہے۔ کسی کو جسمانی مرض لاحق ہو اور طبیب اس کو دوا اور پرہیز بتائے تو اس پر عمل ضرور کیا جاتا ہے اس خوف سے کہ کہیں موت کی آغوش میں نہ پہنچ جائیں، علاج ومعالجہ اور احتیاط شرعاً منع نہیں ہے لیکن پیغمبر اسلام ہادی برحق سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے قلب کے امراض کی جو دوا بتائی ہے اس سے آخر غفلت کیوں؟

ایک اور وعظ میں ارشاد فرمایا: ''اپنے قلوب کی اصلاح کرلو کیونکہ قلوب جب سنور جاتے ہیں تو سارے احوال بھی سنور جاتے ہیں پھر آپؒ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا اس بارے میں ارشاد ذکر فرمایا'' آگاہ ہوجاؤ کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست رہے تو پھر سارے اعضاء جسمانی درست رہتے ہیں اس میں بگاڑ وفساد پیدا ہوجائے تو پھر سارے اعضاء انسانی بگاڑ وفساد کا شکار ہوجاتے ہیں'' (صحیح بخاری:۱/۱۰۱)۔ الغرض دل کی صحت مادی وروحانی دونوں اعتبار سے مانی گئی ہے، جسمانی اعتبار سے دل کی درستگی اور اس کی عمدہ کارکردگی سے سارے اعضاء توانا وصحت مند رہتے ہیں، اسی طرح روحانی اعتبار سے دل کی صحت ودرستگی کا روحانی زندگی پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ روحانی اعتبار سے دل اللہ کے ماسوی سے پاک نہ ہو اور قلب میں دنیا کی محبت گھر کرگئی ہو تو پھر روحانی صحت متاثر ہوجاتی ہے جس سے مادی زندگی کا چین وسکون رخصت ہوتا ہے اور اخروی ناکامی حصے میں آتی ہے۔ روحانی اعتبار سے دل کی درستگی کیلئے توحید خالص پر ایمان ویقین حق تعالی پر توکل واعتماد، تقوی وپرہیزگاری اعمال میں اخلاص لازم ہے جس سے قلب سنورتے ہیں، اگر یہ ناپید ہوں تو دل بگڑ جاتے ہیں، فرماتے ہیں'' قلب گویا ایک پرندہ کے مانند ہے بدن کی حیثیت پنجرہ کی ہے یا پھر دل گویا موتی جیسا ہے اور جسم اس کی حفاظت کا صندوق ہے''اس مثال سے یہ سمجھایا ہے کہ جیسے اصل اہمیت پرندہ کی ہے نہ کہ پنجرہ کی۔ موتی کی ہے نہ کہ اس کے حفاظتی صندوق کی، اسی طرح اصل اہمیت اللہ سبحانہ کے ہاں دل کی ہے جسد کی نہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے ''اللہ سبحانہ تمہاری شکل وشباہت اور تمہارے اموال پر نظر نہیں فرماتے بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں'' (مسلم ۸/۱۱)

الغرض کامیابی کا راز دل کی حفاظت میں ہے نہ کہ جسد کی، اسی لئے حق سبحانہ وتعالی نے قرآن پاک میں اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے (الشعراء:۸۸،۸۹) ''روز حشر مال واولاد سے کچھ نفع نہیں ملے گا (جبکہ ان کی دینی نہج سے تعلیم وتربیت نہ کی گئی ہو) البتہ جو قلب سلیم لیکر اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں پہنچے وہ کامیاب وکامران اور فائز المرام ہوگا۔

اور فرماتے ہیں ''وہ کام کرو کہ رب سے ملاقات کے وقت شرمندہ ہونا نہ پڑے، حیا ایمان کا حصہ ہے، ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ بندوں سے زیادہ اللہ سبحانہ سے حیا کی جائے، حضرت الشیخ نے اپنے ارشاد میں اس حدیث پاک کی طرف اشارہ کیا ہے واللہ احق ان یستحیی منہ (معجم الکبیر ۱۹/ ۴۱۲)۔ بعدازاں مخلوق سے بھی حیا برتی جائے، حدود اللہ ضائع ہو رہے ہوں، دین کے تقاضے مجروح ہو رہے ہوں اور اللہ سبحانہ کی مقرر کردہ حدیں توڑی جارہی ہوں تب تو حیا درست نہیں بلکہ حق کو ببانگ دہل واضح کرنا چاہئے، حق کی نصیحت میں کسی طرح کی رو رعایت درست نہیں''۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کو اسوہ رسول میں ڈھال کر بندگان خدا کی اصلاح فرمائی، اسلامی اخلاق، پیار ومحبت، دلجوئی ودلداری، نصح وخیر خواہی، رحمت ومہربانی، سیر چشمی اور درگزر سے انسانوں دل جیتے، ظاہر وباطن کی اصلاح میں حکمت کو پیش نظر رکھا۔ دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کا درس دیا۔ الغرض الشیخ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ الباری کے ارشادات ومواعظ کتاب وسنت کا عطر، انسانی نفوس کی تربیت وتزکیہ اور دنیا وآخرت کی کامیابی کی شاہ کلید ہیں۔

الغرض سیدی عبدالقادر جیلانیؒ الباری نے اپنی پاکیزہ عملی زندگی اور فرمودات کے ذریعہ ایمانیات واعتقادات کی اصلاح فرمائی اور کتاب وسنت کے احکامات پر مقام احسان کو پیش نظر رکھ کر عمل پیرا رہتے ہوئے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی۔ ان کو نقوش راہ بنالیا جائے تو دنیا وآخرت دونوں سنور سکتے ہیں، خیر امت کے منصب کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں امت کا ایک طبقہ شب وروز یہ فریضہ انجام دیتا رہے، ایمان وعقیدہ کی درستگی کو مقدم رکھے، اسلامی احکامات وتعلیمات کے مطابق زندگی گزار کر اوروں کے لئے عملی نمونہ بنے، خود نیک وصالح بنکر اوروں کو بھی نیکی وصالحیت کا عملی درس دے، اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی جدوجہد کو زندگی کا نصب العین بنائے ارشاد باری ہے ''تم بہترین امت ہو، اس (امت) کو انسانوں کی نفع رسانی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تم معروف یعنی اچھائی کا حکم دیتے ہو اور منکر یعنی برائی سے روکتے ہو اور خود تم بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آل عمران/۱۱۰)۔ خیر امت کے یہ وہ امتیازی اوصاف ہیں جس سے دوسری امتیں محروم ہیں، یہ فریضہ جب تک انجام پاتا رہے گا یہ امتیاز اس کو حاصل رہے گا ورنہ اس سے محرومی کا شدید خطرہ ہے، اہل کتاب کو جو اس منصب کو بھلا بیٹھے تھے، نافرمانیوں کے خوگر ہوگئے تھے، اللہ سبحانہ کے احکامات کی نافرمانی کرتے ہوئے حدود سے تجاوز کرگئے تھے اور معاشرہ میں برائی کو عام ہوتی دیکھ کر بھی اس پر نکیر کرنے کے بجائے خاموش رہتے۔ ان جیسے افراد امت خاص طور پر مصلحین امت پر حضرت داود اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی، لعنت کے معنی خیر ورحمت سے دور کردینے کے ہیں، امت کے علماء ومشائخ یہ فریضہ انجام نہیں دیں گے اور اعتقادات واعمال کی جہت سے جو کچھ خرابیاں ، برائیاں معاشرہ میں پنپ رہی ہیں اس پر چپ سادھے رہیں گے تو عمومی طور پر انسانی معاشرہ اللہ سبحانہ کی رحمتوں سے دور اور خیر وبرکت سے محروم ہوتا جائے گا۔

اسلام کا مقصود یہی ہے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور اس کی روشنی میں تربیت کا فریضہ انجام دیکر ایسے افراد تیار کئے جائیں جو نیکی وصالحیت اور خداترسی کا عملی پیکر بنیں۔ ورنہ اللہ سبحانہ کے ہاں جوابدہی سے بچنا ممکن نہیں۔ آگاہ ہوجاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (امیر المؤمنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا اور کسی شخص کا غلام اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی (صحیح بخاری: ۱/۳۰۴)۔

اس وقت انسانی معاشرہ خواہشات نفس کا اسیر بنتا جارہا ہے، آخرت سے زیادہ دنیا اور اس کے تعیشات کی فکر دامنگیر ہوگئی ہے، خاص طور پر اسمارٹ فون وغیرہ جیسی ایجادات جو خیر وشر دونوں کا ذریعہ ہیں لیکن اس وقت عملاً اس سے شر زیادہ پھیل رہا ہے، وہ خوش نصیب کم ہوں گے جو اس کے خیر سے مستفید ہوکر علم وتحقیق کی دنیا میں نیک نام ہورہے ہیں، لیکن افسوس امت کے اکثر کمسن اور نوجوان لڑکے لڑکیاں اس کے ناروا استعمال کی وجہ مقصد زندگی سے غافل مخرب اخلاق تباہ کن عادات واطوار کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ علاوہ ازیں لایعنی فضول وعبث رسوم ورواجات نے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جس سے کئی خاندان مسائل کا سامنا کررہے ہیں اس طرح کی اور کئی خرابیاں ہیں کہ معاشرہ اخلاقی اقدار کھوتا جارہا ہے جس سے انسانیت شرمسار ہے۔ دنیا جہاں کے سامان عیش وعشرت کے باوجود معاشرہ رحمت وراحت سے محروم ہے، اسباب آسائش وآسودگی میں کمی کے باوجود اطمینان قلب اور راحت جاں کا نسخہ کیمیاء ایک ہی ہے اور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام، اسلام، اسلام۔ اس کے سوا کوئی اور نسخہ نہیں جو دنیا وآخرت میں انسان کو راحت وآسودگی بخش سکے۔

جو اسلام کی نعمت سے محروم ہیں وہ خوف الٰہی اور خوف آخرت سے غافل ہیں وہ تو مسئولیت (جوابدہی) کے خوف سے بے نیاز ہیں لیکن مسلمانوں کے لئے تو یہ زیبا نہیں کہ وہ اسلام وایمان کی دولت بے بہا پاکر بھی اس سے غافل رہیں۔ ان کا پہلا فریضہ تو یہی ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں کتاب وسنت کی پاکیزہ تعلیمات کا آئینہ دار بنیں، جو مسلمان خواب غفلت میں ہیں ان کی اصلاح کی دردمندانہ کوشش جاری رکھیں اور وہ انسان جو حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی نسبت سے ہمارے بھائی ہیں ان کو حکمت ومصلحت کے ساتھ اسلام کے سایہ رحمت میں لانے کی جدوجہد میں تادم زیست مصروف عمل رہیں۔ اسی سے مسلمان مسئولیت سے بچ سکتے ہیں اور ان شاء اللہ دنیا میں اسی سے غلبہ پاسکتے ہیں، وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات/۱۷۳)۔ اور اسی سے ایک صالح معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اللہ سبحانہ کے حضور پہنچ جانے کے بعد اللہ سبحانہ نے ہر دور میں خداترس علماء، صالحین پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی انسانیت کی صلاح وفلاح کے لئے وقف کی ہے، انہیں میں ایک عظیم اسلامی وروحانی شخصیت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ الباری کی رہی ہے، ان کی پاکیزہ زندگی کے عملی نقوش اسلامی تعلیمات کے عکاس اور فرمودات وارشادات دردمندی وجگرسوزی نصح وخیر خواہی کا عظیم خزانہ ہیں، اللہ سبحانہ حضرت الشیخ کی پاکیزہ زندگی اور آپ علیہ الرحمہ کے فرمودات کو پیش نظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کی خواص وعوام کو توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

اپنی خامیوں کا سامنا!

مبین احمد اعظمی

ہمیں اپنی ذات میں اتنی گہرائی سے سوچنا چاہیے کہ دوسروں کی کمیوں کو جاننے کے بجائے اپنی کمیوں کو پہچان سکیں، کیونکہ جب ہم اپنی کمزوریوں کو سمجھ لیتے ہیں، تب ہی ہم دوسروں کی کمیوں کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں اور ان کو نظرانداز کرنے کی صلاحیت پیدا کرسکتے ہیں۔ واقعہ ہے کہ ''ایک شخص بڑھاپے کی منزل میں تھا، مگر اس نے شادی نہیں کی تھی، اس لئے کہ اس کو ایک آئیڈیل رفیقہ حیات کی تلاش تھی۔ لوگوں نے پوچھا: کیا آپ کو زندگی بھر کوئی ایسی خاتون نہیں ملی جو آئیڈیل رفیقہ حیات بن سکتی ہو۔ اس نے جواب دیا: ایک خاتون ایسی ملی تھی مگر مشکل یہ تھی کہ وہ بھی اپنے لیے ایک آئیڈیل شوہر تلاش کررہی تھی۔ اور بدقسمتی سے میں اس کے معیار پر پورا نہیں اتر سکا۔''

یہ محض واقعہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ لوگ عام طور پر دوسروں کی کمیوں کو جاننے کے ماہر ہوتے ہیں اس لیے ان کا کسی سے نباہ نہیں ہوتا۔ اگر آدمی اپنی کمیوں کو جان لے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ بھی اسی بشری مقام پر ہے جہاں وہ دوسرے کو کھڑا ہوا پاتا ہے۔ اپنی کمیوں کا احساس آدمی کے اندر تواضع اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ صرف دوسروں کی کمیوں کو جانتا ہو تو اس کے اندر گھمنڈ پیدا ہوگا اور کسی سے نباہ کرنا اس کے لیے مشکل ہوجائے گا۔ نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی ایک آدمی میں ساری خصوصیات جمع نہیں ہوتیں۔ کسی میں کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور کسی میں کوئی خصوصیت۔ پھر جس شخص میں کوئی ایک خصوصیت ہوتی ہے اس کے اندر اسی نسبت سے کچھ اور خصوصیات پیدا ہوجاتی ہیں جو گویا اس خصوصیت کا ضمنی نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر بہادر ہے تو اس نسبت سے اس کے اندر شدت ہوگی۔ ایک شخص شریف ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر نرمی ہوگی۔ ایک شخص حساس ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر غصہ ہوگا۔ ایک شخص ذہین ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر تنقیدی مادہ ہوگا۔ ایک شخص عملی صلاحیت زیادہ رکھتا ہے تو اسی نسبت سے اس کے اندر فکری استعداد کم ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی حالت میں قابل عمل بات صرف ایک ہے۔ ہم جس شخص کے ''روشن پہلو'' سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں اس کے ''تاریک پہلو'' کو نظرانداز کریں۔ یہی واحد تدبیر ہے، جس سے ہم کسی کی صلاحیتوں کو اپنے لیے کارآمد بنا سکتے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات ہوں یا مالک اور ملازم کے تعلقات یا دکان دار اور شراکت دار کے تعلقات ہر جگہ اسی اصول کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کو ''پھول'' لینا ہے تو ہم کو ''کانٹے'' کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔ جس کے اندر کانٹے کی برداشت نہ ہو اس کے لیے اس دنیا میں پھول کا مالک بننا بھی مقدر نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تنہا آدمی کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا۔ بڑا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مطلوبہ کام کی پشت پر کئی آدمیوں کی صلاحیتیں ہوں۔ اسی ضرورت نے مشترکہ سرمایہ کمپنیوں کا تصور پیدا کیا ہے۔ لیکن کئی آدمیوں کا مل کر کسی مقصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے افراد میں صبر اور وسعت ظرف کا مادہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کو برداشت کریں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے نہ الجھیں۔ وہ ناخوشگوار باتوں کو یاد رکھنے کی بجائے ناخوشگوار باتوں کو بھلانے کی کوشش کریں۔ معیار پسندی بہت اچھی چیز ہے مگر جب معیار کا حصول ممکن نہ ہو تو حقیقت پسندی سب سے بہتر طریقہ عمل ہوتا ہے۔ اور یہی راز حیات ہے۔

☆

جن کے ہاتھوں دین کو اللہ نے زندہ کیا

مولانا ڈاکٹر سید شاہ مرتضیٰ علی صوفی حیدرؔ پادشاہ قادری
معتمد سید الصوفیہ اکیڈمی ، پرنسپل ایس ایم وی کالج حیدرآباد

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی پیران پیر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے القاب میں نمایاں ایک لقب ''محی الدین'' بھی ہے جو آپ کی دین کے تئیں لازوال اور بے مثال خدمات کے باعث آپ کے مبارک نام کے ساتھ آپ کے عہد شریف ہی سے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اور یہ لقب قدرت کی طرف سے گویا آپ ہی کے لیے مقرر ہو چکا تھا کیونکہ آپ کی خدمات جلیلہ کا پوری طرح اظہار ہونے سے قبل ہی یہ آپ کے لئے مختص کر دیا گیا تھا جس کا واقعہ خود آپ کی زبان سے بہجۃ الاسرار میں مرقوم ہے علامہ ابوالحسن شطنوفی لکھتے ہیں ''خبر دی ہم کو فقیہ ابوالفرج عبد السمیع بن علی بن احمد بن محمد بن عبدالسلام بغدادی بصری نے قاہرہ میں ۶۵۹ھ میں، کہا خبر دی ہم کو دو شیخوں شیخ شریف ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن عبداللہ مشہور مدلل نے بغداد میں اور شیخ ابوعبداللہ محمد بن قائدوانی نے بغداد میں ۵۷۹ھ میں اور کہا ابوالحسن نے خبر دی ہم کو دو شیخوں عمران کیماتی اور بزار نے بغداد میں ۵۹۱ھ میں، ان دونوں نے کہا کہ ہمارے شیخ امام محی الدین عبدالقادرؒ سے کہا گیا اس حال میں کہ ہم آپ کے سامنے تھے کہ آپ کے ''محی الدین'' نام کا کیا سبب ہے؟ تو (پیر و مرشد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) نے فرمایا کہ میں ایک سفر سے ایک دفعہ حج کے لئے ۵۱۱ھ میں بغداد کی طرف ننگے پاؤں نکلا تو میرا گذر ایک ایسے بیمار پر سے ہوا جس کا رنگ متغیر (بدلا ہوا) تھا اور وہ بہت دُبلا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: السلام علیک یا عبدالقادر! میں نے اس کو سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ آپ میرے قریب آئیں میں اس کے قریب آیا تو اس نے مجھ کو کہا کہ آپ مجھے بٹھلا دیں، میں نے اس کو بٹھلا دیا۔ تب اُس کا جسم بڑھنے لگا، اس کی صورت اچھی ہوگئی، اس کا رنگ صاف ہوگیا پھر وہ کہنے لگا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ اُس نے کہا میں دین ہوں، جیسا کہ آپ نے مجھے دیکھا میں خستہ حال ہو گیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے مجھے زندہ کر دیا نئی زندگی دی اور آپ ''محی الدین'' (دین کو زندہ کرنے والے) ہیں۔

میں نے اس کو چھوڑا اور جامع مسجد کی طرف آیا تب مجھے ایک اور شخص ملا اور مجھے جوتی لا کر دیا اور ''اے میرے سردار محی الدین'' کے الفاظ میں مجھ سے مخاطب ہونے لگا جب میں نماز پڑھ چکا تو لوگ میری طرف ٹوٹ پڑے کہ میرے ہاتھ کو چومتے تھے اور کہتے تھے ''اے محی الدین'' اس سے پہلے میں اس نام سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ (بہجۃ الاسرار)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ۵۱۱ھ میں جبکہ پیران پیرؒ کی عمر شریف (۴۰) سال تھی آپ ''محی الدین'' سے ملقب ہو چکے تھے البتہ اس کا عملی طور پر اظہار بعد کے ادوار میں ہوا کیونکہ محققین کے مطابق آپ نے پہلی تقریر ۵۲۱ھ میں کی، اور آپ کی طرف سے کئے گئے تجدید و احیائے دین کے کاموں میں سب سے موثر اور نمایاں آپ کے انقلاب آفرین خطابات و تقاریر ہی ہیں۔ احیائے دین کے کام میں آپ کے تقاریر مواعظ اور خطابات نے کیا رول ادا کیا سطور ذیل میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی کیونکہ اُس وقت بگڑے ہوئے معاشرے اور حالات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ خلق خدا کی اصلاح و تربیت کے لیے آپ وعظ و بیان فرمائیں اور وہ بھی عربی زبان میں جب کہ آپ کی مادری زبان فارسی تھی ہر چند کہ آپ نے علوم و معارف دینیہ میں کامل دسترس حاصل کر لی تھی بلکہ احادیث کریمہ کی تشریح و توضیح اور معانی و مفاہیم بیان کرتے ہوئے درس و تدریس کے دوران ایسے ایسے نکات بیان فرماتے کہ جس سے خاص وہ عام تو کجا خود اساتذہ رشک کرتے لیکن اس قدر قابلیت و صلاحیت مہارت ہونے پر بھی عربی زبان میں خطاب یا تقریر کرنے کے لیے بغداد کے عرب فصحاء و بلغاء کے سامنے اپنے فارسی نژاد ہونے کو رکاوٹ سمجھتے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ''۱۶ر شوال ۵۲۱ھ میں، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے خواب میں مشرف ہوا اور دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وعظ کہنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: حضور میں عجمی (غیر عرب) ہوں بغداد کے فصحاء کے سامنے زبان کھولتے ہوئے خوف کرتا ہوں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لعاب شریف سے سات مرتبہ سرفراز فرمایا اور وعظ کا حکم دیا دوسرے روز بعد نماز ظہر وعظ کہنے کے ارادے سے منبر پر بیٹھا اور سوچتا رہا کہ کیا کہوں میرے اردگرد خلقت کا ہجوم تھا ایک طرف تو ہر کوئی میرا وعظ سننے کا خواہشمند تھا اور دوسری طرف میرے سینے میں علم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا مگر زبان تھی کہ کھلتی نہ تھی اُسی وقت میرے دادا جان حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تشریف آوری ہوئی اور آپ نے چھ (۶) مرتبہ اپنے لعاب دہن مبارک سے مجھے سرفراز کیا میری زبان فوراً کھل گئی اور پھر میں نے وعظ شروع کر دیا اور میری طلاقتِ لسانی کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی۔ خود میرے دل میں جوشِ سخن کا یہ عالم تھا کہ اگر کچھ عرصہ خاموش رہتا اور وعظ نہ کہتا تو میرا دم گھٹنے لگتا تھا اول اول میری محفل وعظ میں تھوڑے لوگ ہوا کرتے تھے مگر بعد میں نوبت یہ آئی ہے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی۔ بالآخر عیدگاہ میں منبر رکھوا کر وعظ کہنا شروع کر دیا''

آپ کی مجلس وعظ میں سامعین کی تعداد کبھی (۷۰) ستر ہزار سے تجاوز کر جاتی عوام تو عوام اہل علم آپ سے استفادہ کے لئے کثیر تعداد میں شریک رہتے (۴۰۰) افراد دوات قلم لئے اس غرض سے حاضر مجلس وعظ رہتے کہ جو کچھ حضور غوث پاک ''فرماتے جائیں اس کو اسی وقت لکھ کر محفوظ کر لیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے مراۃ الزمان میں جو کچھ لکھا ہے اس کو نقل کرتے ہوئے علامہ ابن حجر العسقلانیؒ غبطۃ الناظر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادرؒ میں لکھتے ہیں کہ: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس عراق اور اسکے علاوہ مختلف شہروں سے فتاوی آیا کرتے تھے اور کوئی فتوی آپکے پاس رکتا نہ تھا بلکہ آپ فتوی پڑھتے ہی اس کا جواب لکھدیا کرتے تھے غور و فکر کی ضرورت ہی نہیں پڑتی آپ فقہ شافعی و حنبلی کے مطابق فتوی دیا کرتے۔ جب آپ کے جوابات علماء کے سامنے پیش کئے جاتے تو علماء آپ کی حاضر جوابی پر متعجب ہوجاتے اور آپکے پاس آکر جو کوئی جس فن میں مشغول ہوتا اس میں ماہر ہوجاتا یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں پر فوقیت لے جاتا اور لوگوں کا مرجع بن جاتا۔ (غبطۃ الناظر) جو لوگ شریک محفل وعظ ہوتے ان پر اُن کی اپنی اپنی مختلف حالتوں کے مطابق علاحدہ علاحدہ انداز میں حضرت پیران پیرؒ کے کلامِ معجز بیان کا اثر پڑتا۔ جب آپ آیات وعید کے معانی ارشاد فرماتے تو حاضرین پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ چہروں کا رنگ اڑ جاتا تھا گریہ و زاری کا یہ عالم ہوتا تھا کہ اہل محفل پر بے ہوشی طاری ہوجاتی تھی اور جب آپ رحمت الٰہی پر مشتمل آیات رحمت کی توضیح و تشریح فرماتے تو لوگوں کے دل غنچوں کی طرح کھل جاتے تھے کہ اکثر خاص و عام مست و بے خود ہوجاتے کہ بعد ختم محفل اُن کو ہوش آتا تھا اور بعض تو محفل ہی میں جان بحق تسلیم ہوجاتے۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت پیران پیر کی مجلس وعظ میں جنات بھی حاضری دیا کرتے اور لکھتے ہیں آپ کے وعظ و خطاب کا سلسلہ مسلسل چالیس سال تک جاری رہا۔ آپکے صاحبزادے حضرت عبدالوہابؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت پیران پیرؒ ہفتہ میں تین مرتبہ وعظ کیا کرتے تھے جمعہ کی صبح اور منگل کی شب یہ دونوں ہی وعظ مدرسہ میں ہوتے اور اتوار کی صبح خانقاہ میں اور آپ کی مجلس میں علماء و مشائخ حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس وعظ سے حضرت خضرؑ کے گذرنے کا تذکرہ بھی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے کیا ہے لکھتے ہیں: شیخ جیلانیؒ وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک آپ ہوا میں چند قدم چلے اور فرمانے لگے آئے اسرائیلی رکیے محمدی کی بات سنتے جایئے پھر آپ اپنی جگہ واپس ہوئے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا خضرؑ ہماری مجلس سے تیزی کے ساتھ گذر رہے تھے تو میں نے ان کی طرف چند قدم چلکر اُن سے وہ کہا جو تم نے سنا۔ (غبطۃ الناظر)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں: کہ شیخ جیلانیؒ جب وعظ کیلئے منبر پر بیٹھ کر الحمد للہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب و حاضر ولی خاموش ہوجاتا اسی وجہ سے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے بس اولیاء اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہوجاتا جتنے لوگ آپ کی مجلس میں نظر آتے اُن سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے۔ آگے لکھتے ہیں جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو مختلف علوم کا بیان فرماتے تمام حاضرین آپ کی ہیبت وعظمت کے سامنے بالکل بت بن جاتے کبھی اثنائے وعظ میں فرماتے ''کہ قال ختم ہوا اور اب ہم حال کی طرف مائل ہوتے ہیں'' یہ کہتے ہی لوگوں میں اضطراب و وجد اور حال کی کیفیت طاری ہوجاتی کوئی گریہ و فریاد کرتا، کوئی کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف راہ لیتا اور کوئی بے ہوش ہو کر اپنی جان دے دیتا بسا اوقات آپ کی مجلس سے شوق و ہیبت تصرف عظمت اور جلال کے باعث کئی کئی جنازہ نکلتے آپ کی مجلس وعظ میں جن خوارق عادات کرامات تجلیات اور عجائب و غرائب کا ظہور ہونا بیان کیا جاتا ہے وہ بے شمار ہیں۔ آپ کی ذات گرامی چونکہ علم ظاہری اور باطنی سے پوری طرح آراستہ تھی اس لئے ہر قسم کا طالب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتا اور علم و عمل کے اس سمندر سے پیاس بجھا کر اور مطمئن ہو کر لوٹتا۔ (اخبار الاخیار)

آپ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں کوئی غیر مسلم داخل اسلام ہو کر مسلمان نہ بنتا ہو۔ یہودیوں اور نصاریٰ عیسائی اسلام قبول نہ کرتے ہوں۔ یعنی ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی غیر مسلم مسلمان ہوتا۔ کوئی نہ کوئی بھٹکا ہوا راہ راست پر آجاتا تھا عامۃ الناس رہ زنی، خون ریزی، بدکاری اور دیگر جرائم سے توبہ کیا کرتے فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے رجوع کر لیا کرتے مورخین و محققین کا اس بارے میں یہ ماننا ہے کہ بغداد کی آبادی کے ایک بڑے حصے نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے مواعظ دلوں پر بجلی کی طرح اثر کرتے تھے آپ کا انداز بیان اس قدر دل میں اتر جانے والے اور اثر انداز ہونے والے والا تھا کہ دلوں میں انقلاب برپا ہوجاتا۔

آپ کے وعظ و نصیحت کا اثر عوام تو عوام بادشاہوں پر بھی اس قدر ہوتا تھا کہ وہ لرز جاتا تھا آپ اعلائے کلمۃ الحق میں کبھی نہیں جھجکتے تھے بادشاہ کو بھی غلطیوں پر عام آدمی کی طرح ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں چھوٹے بڑے غریب و امیر اور آقا و غلام کی کوئی تخصیص نہیں تھی بادشاہ اور وزراء آپ کی مجلس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور باادب بیٹھتے آپ کو جو کچھ کہنا ہوتا بے جھجک فرما دیتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ تھا ''لا یخافون لومۃ لائم'' کی شان آپ کے وعظ کے ایک ایک جملے سے ٹپکتی تھی۔

علامہ شمس مترجم الغنیہ لکھتے ہیں: آپ پر بغداد کی معاشرتی سماجی اور دینی زندگی کی بگڑتی ہوئی حالت پوشیدہ نہیں تھی ظلم و ستم 'جبر و استبداد' فواحش و تن آسانی' عیش و طرب میں ڈوبی ہوئی زندگی کو ہلاکت کے بھنور سے باہر نکال کر لانا ہی آپ کا مقصود اصلی تھا اور اسی لیے آپ نے بغداد کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا آپ کے مواعظ کا اصلی موجب یہی تھا کہ بندگان خدا کی اصلاح کی جائے چنانچہ آپ ہر وقت ان برگشتہ حال نفوس کی اصلاح میں مشغول و مصروف رہتے بڑے بڑے لوگوں کو ان کی برائیوں پر بے دھڑک ٹوکتے اور اصلاح کی طرف متوجہ فرماتے یعنی آپ سلاطین وقت (خلفائے بغداد) وزراء امرائے سلطنت' اکابرین ملت' عامل و قاضی' واعظ و صوفی ہر ایک کو ان کی غلطیوں پر بے دھڑک ٹوکتے اور ان کی برائیوں سے آگاہ فرماتے اور کبھی کسی کی انفرادیت وجاہت اور سطوت و شوکت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ آگے لکھتے ہیں: آپ نے اپنے ان مواعظ و خطبات میں کبھی رہبانیت اور ترک دنیا کا مشورہ عوام یا خواص کو نہیں دیا بلکہ اس بات پر زور دیا کہ اپنی دنیا کی اصلاح کریں تاکہ اچھی آخرت کا حصول ممکن ہو سکے تصوف کے رموز و نکات عمومی مجالس میں کبھی آپ کا موضوع نہیں رہے آپ نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ دنیا کے استعمال اور اس سے ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھا کر آخرت سنوارنے کا درس دیا۔ احیائے دین کے لیے کیے گئے آپ کے اقدامات اُس زمانے میں ساری دنیا میں پھیلے اور جو اپنا ایک اثر رکھتے تھے جس کا تسلسل پچھلی نو صدیوں سے دنیا دیکھ رہی ہے۔ (الغنیۃ لطالب طریق الحق بہجۃ الاسرار' قلائد الجواہر' غبطۃ الناظر' اخبار الاخیار' سر الاسرار ترجمہ نور الانوار' مظہر جمال مصطفائی') (جاری)

ہے اِک ثبات زمانے کی بے ثباتی کو

اعظم المشائخ حضرت علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی اعظمؔ قادریؒ

دروس مثنوی (۲۰۹)

ہر زمانے میں دنیا کے اندر دو حالتیں ہر وقت ہوتی رہتی ہیں۔ کہیں خوشی تو کہیں غم' کہیں ولادت تو کہیں موت' کہیں تعمیر تو کہیں تخریب' کہیں آبادی تو کہیں بربادی' کہیں کوئی بنتا ہے تو کہیں کوئی بگڑتا ہے۔ اسی حقیقت کی جانب عارف رومیؒ اپنی مثنوی شریف میں یوں توجہ دلاتے ہیں۔

کون می گوید بیا من خوش پیم
واں فسادش گفت رَو من لاشیئم

ہر وجود کا شباب اپنی جانب آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور ہر چیز کا بڑھاپا کہتا ہے جاؤ اپنا کام کرو۔ یعنی ہر چیز جب جوان رہتی ہے تو اس کی زیبائش دعوت دیتی ہے کہ میری طرف آ۔ لیکن ہر شئے جب عمر رسیدہ اور ضعیف ہوجاتی ہے تو اس کا فساد (انحطاط) کہتا ہے کہ جاؤ میاں اپنا کام کرو وقت ضائع نہ کرو کہ میں اب بالکل ناقابل توجہ اور بے قدر ہو گیا ہوں۔

اے زِ خوبیٔ بہاراں لب گزاں
بنگر آن سردی وزردیٔ خزاں

اے وہ شخص جو بہار کی خوبی دیکھ کر (لذت سے) ہونٹ کترتا ہے' سردی اور موسم خزاں کی زردی کو بھی دیکھ۔

یعنی بہار کے موسم اور اس کی سبز دلکشیوں سے دھوکا نہ کھا بلکہ موسم سرما اور موسم خزاں میں پتوں کے زرد اور خشک ہو کر گرنے کو بھی پیش نظر رکھ اور یہ سمجھ کہ یہ بہار کا زمانہ ہمیشہ نہ رہے گا اور محض چندروزہ بہار کے حُسن سے دل مت لگا۔

روز دیدی طلعت خورشید خوب
مرگِ او را یاد کن وقتِ غروب

دن میں آفتاب کی آب و تاب کی خوبی تو تجھے پسند ہے مگر غروب کے وقت اس کے زوال کی حالت کو بھی یاد کر۔

بدر را دیدی بریں خوش چار طاق
حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق

(آسمان پر) چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر تو فریفتہ مت ہوجا بلکہ عنقریب اس کے زوال (بے نوری) کا حیرت ناک منظر بھی دیکھ۔

گرتنِ سیمیں بتاں کردت شکار
بعد پیری بیں تنِ چوں پنبہ زار

اگر چاندی جیسے حسینوں کے (نازک) بدن نے تجھے پھانس لیا ہے تو ان کے (آئندہ) بڑھاپے کے منظر پر بھی غور کر جبکہ یہ جسم روئی کا کھیت معلوم ہوگا۔

یعنی کسی بھی حسینہ کا حُسن بالکل ناپائیدار ہوتا ہے۔ عمر میں اضافہ کے ساتھ ہی سارا حسن و جمال اور خوبصورتی غائب ہوجاتی اور مکروہ منظر پیش کرتی ہے۔

نرگس چشم خماری ہمچوں جاں
آخر اعمش بیں و آب از وے چکاں

جو آنکھیں آج نرگس سے مشابہ بہت نشیلی تجھے محبوب ہیں ایک دن تو دیکھ لے گا کہ یہ چندھی ہو کر ان سے بدبودار پانی جاری ہوگا۔

حیدرے کاندر صفِ شیراں رود
آخر او مغلوب موشے می شود

وہ بہادر جو شیروں کی صف میں گھس جاتے تھے آج ان کو کمزور بھی مغلوب کر دیتے ہیں۔

درس بصیرت:

۱۔ ہر زمانے میں دنیا ایک حال پر قائم نہیں رہتی بلکہ بدلتی رہتی ہے بلکہ کبھی شادی تو کبھی غمی' کبھی ولادت تو کبھی موت' کبھی تعمیر تو کبھی تخریب' کبھی شباب تو کبھی بڑھاپا وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ جوانی کی مسرتوں اور جولانیوں کو دائمی ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ شباب کا زمانہ چندروزہ ہوتا ہے اس کے بعد آنے والے بڑھاپے کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۳۔ موسم بہار کی سرسبزی و شادابی سے لذت و راحت حاصل کرنے والے کو چاہئے کہ بہت جلد آنے والے موسم خزاں کی خشکی' زردی اور بے لطفی پر بھی غور کرے۔

۴۔ دن میں بڑی آب و تاب سے چمکنے والے آفتاب کو بھی غروب کے وقت حق تعالیٰ زوال سے دوچار کر دیتا ہے۔

۵۔ چودھویں رات کو جگمگانے والے چاند کی دلکشی اور خوبصورتی بھی عنقریب غائب ہونے والی ہے جبکہ چاند بے نور ہوجائے گا۔

۶۔ نازک بدن حسینوں کا حسن اور ان کی نرگسی نشیلی آنکھوں کا منظر بہت جلد غائب ہو کر ناپسندیدہ اور مکروہ منظر پیش کرے گا۔

۷۔ بڑے بڑے زور آور پہلوانوں کی قوت کچھ ہی عرصہ میں جواب دے دیگی اور ایک ضعیف و کمزور شخص اس پہلوان کو زیر کر دے گا۔

۸۔ پتہ چلا کہ مخلوق کی طاقت' خوبی اور خوبصورتی سب دوروزہ ہوا کرتی ہے جو بہت جلد غائب اور مفقود ہوجاتی ہے۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔

۹۔ ہر عروج کو زوال ہے لیکن خالق کائنات کو کبھی زوال نہیں۔ اس کی ذاتِ پاک ازل سے ابد تک ہر وقت ایک نئی شان سے جلوہ گر ہے جس میں کبھی کوئی کمی نہیں آنے پاتی۔

☆☆☆

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضؓ

الاولیاء اللہ، علما کرام، صوفیاء کرام و صالحین کرام کے سردار

سید شجاعت اللہ حسینی بیابانی
موظف پرنسپل ورنگل

(۲)

کتاب قلائد الجواہر کے صفحہ نمبر 87 پر رقم ہے کہ قدوۃ العارفین شیخ ابوسعید قیلویؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ نے یہ جملہ فرمایا: میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ اس وقت آپ کے قلب پر تجلیات الٰہی کا ظہور ہوا۔ اور مقربین ملائکہ کے ذریعہ آپ کے پاس حضور اکرم ﷺ کی عطا کردہ خلعت پہنچی۔ اگلے پچھلے وہ تمام اولیاء اللہ کرام جو زندہ تھے یا مردہ اپنے ارواح و اجسام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ان سب کی موجودگی میں آپ کو وہ خلعت پہنائی گئی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں ملائکہ اور رجال الغیب کا بھی انبوہ کثیر تھا۔ جو فضا میں صف بستہ تھے اور جن کے ہجوم کی وجہ سے افق کی وسعتوں میں گنجائش نہ رہی تھی۔ اور روئے زمین پر کوئی ولی اللہ ایسا نہیں تھا جس نے اپنی گردن نہ جھکا دی ہو۔

شیخ الصوفیہ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رح اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں: میں عہد شباب میں علم کلام سے بہت شغف رکھتا تھا اور بہت سی کتابیں مجھے حفظ تھیں۔ اس علم پر مجھ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں میرے چچا اکثر مجھے برا بھلا کہا کرتے تھے۔ لیکن میں کوئی اثر نہ لیتا۔ آخر کر وہ مجھے ایک دن حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے مجھ سے پوچھا: اے عمر تونے کون کون سی کتابیں ازبر یاد کر لیں؟ میں ان کتابوں کے نام بیان کر چکا تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر پھیرا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے ذہن سے ان کتابوں کا ایک ایک حرف محو ہوگیا اور اس کی بجائے مجھے ایسا علم لدنی حاصل ہوگیا کہ آپ کے پاس سے اٹھنے کے بعد میں نہایت ہی حکیمانہ باتیں کرنے لگا۔ میرے سینہ پر دست شفقت رکھتے وقت حضرت شیخ نے یہ بھی پیشین گوئی کر دی تھی: اے عمر! تو عراق کے مشاہیر میں سے ہوگا۔ حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ فی الواقع اہل طریقت کے سلطان تھے، اور کارخانہ قدرت پر پوری طرح متصرف بھی۔

حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ نے اپنے صاحب زادے حضرت شیخ موسیٰ سے فرمایا: سفر میں لق و دق صحراء میں تھا مجھے کہیں سے پانی نہیں ملا اور جب پیاس شدت سے ہونے لگی تو میرے اوپر ایک ابر چھا گیا جس سے پانی کے قطرات ٹپکنے لگے جس کو میں نے پی لیا۔ میں نے افق پر ایک روشنی دیکھی جس میں سے ایک شکل نمودار ہوئی اور مجھے آواز دینے لگا اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور میں تیرے اوپر وہ تمام حرام اشیاء حلال کرتا ہوں جو کسی اور پر حلال نہیں کی گئیں۔ یہ سنتے ہی میں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر اسے (شیطان کو) دھتکارا۔ پھر اچانک اس روشنی نے ظلمت میں تبدیل ہو کر دھوئیں کی شکل اختیار کی اور کہا کہ تونے اپنے علم اپنے رب کے حکم اور اپنے تفقہ کے منازل اعلیٰ کی وجہ سے نجات حاصل کر لی ورنہ میں تو اسی طرح ستر اہل طریقت کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ سب میرے رب کا فضل ہے۔

حضرت ابوسعید عبداللہ بغدادی بیان کرتے ہیں کہ 537 ہجری میں میری لڑکی فاطمہ چھت پر چڑھی اور وہیں سے غائب ہوگئی۔ میں نے حضرت شیخؒ سے اس حادثے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تم کرخ کے ویرانے میں پانچویں ٹیلے کے نیچے جا کر زمین پر ایک خط کھینچ کر دائرہ بنالو۔ اور بسم اللہ پڑھ کر یہ نیت کرلو کہ یہ دائرہ میں شیخ عبد القادرؒ کی طرف سے قائم کر رہا ہوں۔ اس کے بعد رات کو تمہارے پاس مختلف صورتوں میں جنات کی ایک جماعت آئے گی۔ لیکن تم خوف زدہ نہ ہونا۔ پھر صبح کے قریب ایک لشکر کے ہمراہ ان کا بادشاہ گذرے گا۔ اور تم سے سوال کرے گا کہ تمہاری حاجت کیا ہے۔ تم کہنا کہ شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس کے بعد اپنی لڑکی کے غائب ہونے کا واقعہ بیان کر دینا۔ چنانچہ جب میں نے حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کے حکم پر عمل کیا تو پہلے میرے قریب سے بھیانک صورتوں میں کچھ لوگ گذرے لیکن ان میں سے نہ تو کوئی میرے قریب آیا نہ میرے دائرے میں داخل ہوا۔ ان کے گذرنے کے بعد گھوڑے پر سوار بادشاہ آیا۔ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ پھر اس نے دائرے کے قریب کھڑے ہو کر میری حاجت دریافت کی۔ میں نے بتایا کہ مجھ کو حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے تمہارے پاس بھجا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے اترا اور زمین کو بوسہ دیتے ہوئے معہ ساتھیوں کے دائرے کے باہر بیٹھ گیا۔ اور اس کے دریافت کرنے پر جب میں نے اپنا مقصد بیان کیا تو اس نے اپنے تمام ساتھیوں سے پوچھا: یہ کس کی حرکت ہے؟ لیکن سب نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ایک سرکش جن اس لڑکی کو ہمراہ لئے حاضر ہوا۔ جو چین کا باشندہ تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: لڑکی جو ایک قطب دوراں کی نگرانی میں ہے اسے کیوں اٹھا لے آیا؟ اس نے جواب دیا کہ میرے دل میں اس کی محبت نے گھر کر لیا تھا۔ یہ سنتے ہی بادشاہ نے اسے قتل کر دیا۔ اور میری لڑکی میرے حوالہ کر دی۔ تمام سرکش جن آپ کے خوف سے اپنے ٹھکانوں میں منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو قطبیت عطا فرماتا ہے تو تمام انس و جن پر اس کو دسترس بھی دیتا ہے۔ (قلائد الجواہر) اللہ تعالیٰ کی اسی عطا کردہ دسترس سے قطب وقت مخلوق کی دستگیری فرماتے ہیں۔

علامہ ابن نجارؒ سے روایت ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے فرمایا: میں نے تمام اعمال کی چھان بین کی تو مجھے معلوم ہوا کہ سب سے بہتر عمل لوگوں کو کھانا کھلانا ہے اور حسن اخلاق سے پیش آنا ہے۔ اور اگر میرے ہاتھ میں پوری دنیا کی دولت بھی دے دی جائے تو میں اس کو بھوکوں کو کھانا کھلانے میں صرف کر دونگا۔ روزآنہ رات کو آپ کا ایک غلام روٹیوں کا طباق لئے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز لگاتا، کیا کسی کو روٹی کی ضرورت ہے؟ کیا کسی کو رات بسر کرنے کے لئے جگہ درکار ہے؟ آپ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی ہاتھ نہ گیا۔ اگر جسم پر دو کپڑے ہوتے تو آپ ایک سائل کو دے دیتے۔ (قلائد الجواہر)

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے ان کرامتوں میں تمام کرامتیں حیرت انگیز اور محیر العقول ہیں اور ان کا ظاہر ہونا حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ جیسے ولی کامل، عظیم روحانی شخصیت اور غوث اعظم وقت سے ناممکن نہیں۔ لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی تمام کرامتوں کو اگر ایک پڑلہ میں رکھا جائے اور آپ کی ان اقدامات و کوششوں کو دوسرے پڑلہ میں جو احیاء دین کے لئے آپ نے کی ہیں اور شریعت کے بے جان جسم میں جو آپ نے دوبارہ جان ڈالی ہیں تو دوسرا پڑلہ ہی بھاری لگتا ہے۔ آپ کے دروس، مواعظ، تقاریر اور نظر کرم نے ہزاروں بھٹکے ہوؤں کو منزل پر پہنچایا۔ ہزاروں کفار، یہود اور نصارا نے تائب ہو کر آپ کے مبارک و مسعود ہاتھ پر اسلام کو قبول کیا اور مسلمانوں کے ہی گمراہ فرقوں جو یونانی، اہل ہنود اور مجوسیوں کے فلسفوں پر مبنی تھے کے لاکھوں افراد نے اپنے باطل عقائد کو ترک کیا اور آپ کو اپنا رہنما، رہبر اور مرشد مانا اور آپ کے ارادت مند ہوئے جو آج بھی تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کا کارنامہ احیاء دین ہی حقیقی طور پر ایک عظیم کرامت ہے جس کو پورا عالم اسلام مانتا ہے اعتراف کرتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ امیروں، وزیروں، اور بادشاہوں کے دربار سے کبھی وابستہ نہیں ہوئے۔ آپ نے بڑی جسارت و شہامت سے عوام و خواص کے لئے اپنی مجلس کے دروازے کھول دیئے۔ جو کچھ کہا برملا کہا۔ جو تنقید کی وہ براہ راست کی۔ جو کچھ ہدایت کی صاف صاف فرمائی۔ لوگوں کو گناہوں سے روکا۔ آپ جو کچھ فرماتے اس کا استدلال قرآن و حدیث سے فرماتے۔ آپ کی یہ کوشش تھی کہ امراء و سلاطین ملک گیری سے ہٹ کر عدل و انصاف اور احیاء شریعت کے لئے کام کریں اور رعیت بھی سچے اور باعمل مسلمان بن جائیں۔ عالموں کو نصیحت فرمائی کہ کبر، ریا، نخوت و غرور سے اپنے دلوں کو پاک کریں۔ واعظ میں فرماتے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو اور بدعت نہ نکالو اور اطاعت کرو۔ نافرمانی نہ کرو۔ صبر سے کام لو بے صبری مت کرو۔ سختی کے بعد آسانی اور مراد حاصل ہونے کا انتظار کرو۔ ناامید مت ہو۔ اللہ کے ذکر پر بھروسہ رکھو۔ آپس میں پھوٹ مت ڈالو۔ گناہوں سے توبہ کر کے پاک بنو اور اپنے مولا کے دروازے کو مت چھوڑو۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں کہ زہد و ورع یہ ہے کہ آدمی تمام چیزوں سے پرہیز کرنے لگے شریعت مطہرہ جس چیز کی اجازت دے اسے اختیار کرے اور جن کاموں اور جن چیزوں سے روکے اسے چھوڑ دے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی زیارت: خبر دی ہم کو شریف ابو العباس احمد بن شیخ ابوعبداللہ بن ابوالغنائم محمد ازہری حسینی نے کہا کہ میں نے اپنے والد اور شیخ صالح بقیۃ السلف ابوالثنا محمود جیلانی سے کہا کہ میں نے شیخ پیشواء ابوالحسن علی بن الہیتیؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیخ بقا بن بطو کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کے روضہ کی زیارت کی۔ میں نے دیکھا کہ امام موصوف قبر سے نکلے اور شیخ عبدالقادرؒ کو اپنے سینہ سے لگایا اور ان کو خلعت پہنائی اور فرمایا کہ اے عبدالقادر! بے شک میں تمہارے علم شریعت اور علم حقیقت اور علم حال اور فعل حال میں محتاج ہوں۔ (بہجۃ الاسرار اردو (تذکرہ حضرت شیخ عبد القادر الجیلانیؒ، مصنف: امام ابوالحسن الشطنوفی شافعیؒ صفحہ: 337)

کرامات حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ: حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ سے بے شمار کرامتوں کا صدور ہوا، اس پر تمام مورخین و مصنفین کا اتفاق ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا پرتو ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ایسے بہت سے معجزات شیخ جلال الدین السیوطیؒ نے خصائص الکبرا میں بیان کئے ہیں۔ شیخ قدوہ ابوالحسن قرشیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں 559 ہجری میں سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی مجلس میں حاضر تھا تو روافضہ کی ایک جماعت دو سلے ہوئے مہر شدہ تھیلے لیکر آئی اور حضرت سے سوال کیا کہ ان دو تھیلوں میں کیا چیز ہے؟ آپ نے کرسی سے اتر کر ان میں سے ایک تھیلے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس میں ایک اپاہج بچہ ہے۔ کہہ کر اپنے صاحب زادے حضرت شیخ عبدالرزاق کو حکم دیا کہ اس تھیلے کو کھولو۔ چنانچہ جب اسے کھولا گیا تو واقعی اس میں ایک اپاہج بچہ موجود تھا۔ آپ نے اس پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے کھڑے ہوجا۔ یہ سنتے ہی وہ بچہ کھڑے ہو کر بھاگنے لگا۔ پھر دوسرے تھیلے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس میں ایک صحتمند بچہ ہے۔ جب تھیلا کھولا گیا تو واقعی اس میں سے ایک صحتمند بچہ نکل کر بھاگنے لگا۔ لیکن سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے اس کی پیشانی پکڑ کر فرمایا کہ بیٹھ جا چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ آپ کے عقیدتمند ہو کر آپ کے مرید ہو گئے۔ (قلائد الجواہر)

شیخ عدی بن برکات اپنے والد اور چچا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کے واعظ کے دوران بارش ہونے لگی اور اہل مجلس منتشر ہونے لگے اس وقت حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے آسمان کی جانب نظر اٹھا کر فرمایا کہ میں تو تیرے لئے لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور تو منتشر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت آپکی مجلس پر سے تو بارش بند ہوگئی لیکن مدرسہ سے باہر مسلسل ہوتی رہی۔ پھر آپ یہ شعر پڑھے:

مافی الصبابۃ منھل مستعذب
الا ولی فی بالا لذالاطیب

وادی عشق میں کوئی شیریں چشمہ ایسا نہیں، جو کہ تیری نہر عشق سے زیادہ لذیذ و شیریں ہو۔ (قلائد الجواہر)

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ (بانی سلسلہ سہروردیہ) اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں علم کلام سے شغف رکھتا تھا اور بہت سی کتابیں مجھے حفظ تھیں۔ اس علم پر مجھ کو عبور حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں میرے چچا اکثر مجھے برا بھلا کہتے تھے۔ لیکن میں کوئی اثر نہیں لیتا تھا۔ آخر کار وہ مجھے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے مجھ سے پوچھا اے عمر تم نے کون کون سے کتابیں ازبر یاد کر لی ہیں؟ میں جب ان کتابوں کے نام بیان کیا تو آپ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے ذہن سے ان کتابوں کا ایک ایک حرف محو ہوگیا اور اس کے بجائے ایسا علم لدنی حاصل ہوگیا کہ آپ کے پاس سے اٹھنے کے بعد میں حکیمانہ باتیں کرنے لگا۔ میرے سینے پر دست شفقت رکھتے وقت حضرت نے یہ بھی پیشن گوئی کر دی تھی کہ اے عمر! تو عراق کے مشاہیر میں سے ہوگا۔ حضرت شیخ فی الواقع اہل طریقت کے سلطان تھے اور کارخانہ قدرت پر پوری طرح متصرف تھے۔ (قلائد الجواہر)

ابوبکر تیمی بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر العمری نے مجھ سے اپنا واقعہ سنایا کہ سفر حج میں میرے ہمراہ جیلان کا باشندہ تھا۔ جب اسکو اسکی موت کا یقین ہوگیا تو اس نے مجھے دس دینار حوالہ کرتے ہوئے وصیت کی کہ یہ خرقہ اور رقم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سپرد کر دینا اور کہہ دینا کہ میرے اوپر نظر کرم رکھیں۔ اس وصیت کے بعد وہ فوت ہوگیا۔ لیکن بغداد واپس آنے کے بعد میں نے یہ سونچا کہ میرے اور مرحوم کے علاوہ کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے، لہذہ لالچ میں آکر وہ رقم میں نے اپنی ذات پر خرچ کر لی ابھی چند یوم گذرے تھے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ سے راستہ میں ملاقات ہوگئی۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا تو آپ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور فرمایا: اے مسکین! تونے صرف دس دینار کی خاطر مرحوم کی امانت میں خیانت کر ڈالی۔ یہ فرما کر آپ نے میرا ہاتھ چھوڑا تو میں بیہوش ہوگیا اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ واپس چلے گئے لیکن ہوش میں آنے کے بعد میں نے وہ رقم اور خرقہ گھر سے لیجا کر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کے حوالے کر دیئے۔ (قلائد الجواہر: 193،192 مصنف محمد یحییٰ تادفی)

ایک عورت اپنے لڑکے کو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی خدمت میں لاکر کہنے لگی: میرا یہ فرزند آپ سے بے حد عقیدت رکھتا ہے، میں چاہتی ہوں کہ یہ آپ سے اکتساب فیض کرے، اسے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ آپنے اس عورت کی استدعا قبول کر لی اور اس لڑکے کو ریاضت و مجاہدہ پر لگا دیا تاکہ سلوک کا طریقہ سیکھ کر مرتبہ کمال تک پہنچے۔ ایک دن وہ عورت اپنے لڑکے سے ملنے آئی تو دیکھا کہ لڑکے کا چہرہ زرد ہو چکا ہے، نہایت کمزور بھی ہوگیا ہے اور جو کی روٹی کھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ کے سامنے ایک برتن پایا جس میں مرغی کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں جو آپ نے تناول فرما کر برتن میں ڈالدی تھیں۔ اس عورت نے جب یہ دیکھا تو کہا: اے میرے سردار! آپ خود تو مرغ کھاتے ہیں اور میرا بیٹا جو کی روٹی کھاتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دست مبارک ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی ہوجا جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کریگا۔ اس وقت وہ مرغی زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی اور شور مچانے لگی۔ عورت سکتے میں آگئی۔ تب سرکار غوث الاعظمؒ نے اس عورت سے فرمایا: جب تیرا بیٹا اس درجہ تک پہنچ جائیگا تو جو چاہے کھائے۔ (بہجۃ الاسرار: 193،192، مصنف امام ابوالحسن الشنوفیؒ)

حضرت بزارؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانیؒ قدس سرہ النورانی سے سنا کہ آپ ''کرسی پر بیٹھے فرما رہے تھے کہ ایک عورت حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی مرید ہوئی۔ اس پر ایک فاسق شخص عاشق تھا۔ ایک دن وہ عورت کسی حاجت سے پہاڑ کے غار میں گئی تو اس فاسق شخص کو بھی اس کا علم ہوگیا تو وہ بھی اس کے پیچھے ہولیا حتی کہ اس کو پکڑ لیا۔ وہ اس کے دامن عصمت کو ناپاک کرنا چاہتا تھا تو اس عورت نے بارگاہ غوثیہ میں اس طرح استغاثہ کیا: الغیاث یا غوث اعظم، الغیاث یا غوث الثقلین، الغیاث یا شیخ محی الدین، الغیاث یا سیدی عبدالقادر۔ اس وقت حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ اپنے مدرسہ میں وضو فرما رہے تھے آپ نے اس کی فریاد سن کر اپنی کھڑاؤں کو غار کی طرف پھینکا وہ کھڑاؤں اس فاسق کے سر پر لگنی شروع ہوگئی حتی کہ وہ مر گیا۔ وہ عورت آپ کی نعلین مبارک (کھڑاؤں) لیکر حاضر خدمت ہوئی اور آپ کی مجلس میں سارہ واقعہ بیان کر دیا۔ (تفریح الخاطر صفحہ 37)

شیخ خضر الحسینی موصلی بیان کرتے ہیں کہ میں تیرہ سال حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی خدمت میں رہا اور بہت سی خارق عادات کرامات دیکھتا رہا۔ لیکن ان کرامتوں میں سے ایک عظیم کرامت یہ تھی کہ جب اطباء کسی مریض سے مایوس ہوجاتے تو اس کو آپ کی خدمت میں لایا جاتا۔ اور آپ اس کے جسم پر دست مبارک پھیر کر دعا فرماتے تو وہ مریض فوراً شفایاب ہوجاتا اور مرض جڑ سے نکل جاتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خلیفہ مستنجد باللہ کا ایک قریبی عزیز مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر آپ کے پاس لایا گیا اس کا پیٹ پانی پیتے پیتے ڈھول بن گیا تھا۔ جب اس کے پیٹ پر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ اسطرح دب گیا گویا اس کو کوئی مرض تھا ہی نہیں۔ ایک مرتبہ ابوالمعلی احمد بغدادی نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ سے عرض کیا کہ میرا بچہ محمد پندرہ ماہ سے بخار میں مبتلا ہے اور کسی وقت بھی بخار کم نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: جاکر اس کے کان میں یہ کہہ دو کہ اے ام ملدم! حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے حکم دیا ہے کہ میرے بچے پر سے حلہ کی طرف چلا جا۔ کچھ دنوں کے بعد جب لوگوں نے میرے بچے کی حالت پوچھی تو میں نے بتادیا کہ جب سے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس وقت سے کبھی بخار نہیں آیا۔ اور کئی سال تک بغداد میں بخار کی وباء نہیں پھیلی بلکہ اس کا پورا زور حلہ کی طرف رہا۔ (قلائد الجواہر صفحات 125،124)

تعلیمات حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ:

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے لئے تمام احوال میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے: (1) اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے اور اس کی اتباع کرے۔ (2) شریعت کے ممنوعہ افعال سے مکمل احتراز کرے۔ (3) تقدیر الٰہی پر راضی رہے۔ مومن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں میں کسی ایک سے بھی کبھی بھی تہی دامن نہ رہے۔ (فتوح الغیب، المقالہ الاولی، صفحہ 28) حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں: سنت کی پیروی کرو اور بدعات سے احتراز کرو۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں مشغول رہو اور ان کے احکام سے روگردانی نہ کرو۔ اللہ کو یکتا جانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹہراو۔ ہر ناپسندیدہ فعل اور نقص سے اس کو پاک جانو اور بارگاہ الوہیت و حمدیت کے نامناسب باتیں کر کے اس پر بہتان طرازی نہ کرو۔ دین اسلام کی حقانیت پر یقین رکھو اور شبہ میں مت پڑو۔ مصائب و الام پر صبر کرو اور گھبراؤ نہیں۔ ثابت قدم رہو۔ اور راہ فرار اختیار نہ کرو۔ اللہ سے سوال کرنے کو برا نہ سمجھو اور پریشان نہ ہو۔ قبولیت اور عطا کا اثر ظاہر ہونے کے وقت کے منتظر رہو۔ امید رکھو۔ اور مایوس نہ ہو۔ باہم بھائی بھائی بن کر رہو اور دشمن نہ بنو۔ اللہ کی بندگی کے لئے اکھٹے رہو اور جماعت سے نہ نکلو۔ اللہ کی رضا کی خاطر آپس میں محبت رکھو اور نفس کی خاطر بغض و عداوت نہ رکھو۔ گناہوں سے مکمل پرہیز کرو اور خود کو ان کے ساتھ آلودہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے خود کو آراستہ کرو اور اس کے دروازے سے پیچھے نہ ہٹو۔ اس کی طرف متوجہ رہنے سے اعراز نہ کرو اور گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت چھوڑنے میں تاخیر نہ کرو۔ (فتوح الغیب، المقالہ الاولی: 31،30)

حضرت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی محبوب سُبحانیؒ نے فرمایا: اے انسان، اگر تجھے مہد سے لے کر لحد تک کی زندگی دی جائے اور تجھ سے کہا جائے کہ اپنی محنت، عبادت و ریاضت سے اس دل میں اللہ کا نام بسالے تو رب تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم یہ ممکن نہیں، اُس وقت تک کہ جب تک تجھے اللہ کے کسی کامل بندے کی نسبت و صحبت میسر نہ آجائے۔ اہل دل کی صحبت اختیار کر تاکہ تو بھی صاحب دل ہوجائے۔ میرا مرید وہ ہے جو اللہ کا ذاکر ہے اور ذاکر میں اُس کو مانتا ہوں، جس کا دل اللہ کا ذکر کرے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے فرمایا کہ جب بھی عاقل آدمی دنیا کی لذات و نعم کا آخرت کی لذات و نعم سے مقابلہ کرتا ہے تو اگر وہ صاحب یقین ہو تو معلوم کر لیتا ہے کہ زندگی تو بس آخرت ہی کی ہے جیسا کہ حضور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: زندگی صرف آخرت کی ہے خصوصاً مومن کے حق میں۔ چنانچہ حضور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ حضور رسول اکرم ﷺ نے مزید فرمایا: پرہیزگار کے منہ میں لگام دی گئی ہے۔ ان اخبار و مشاہدات کے باوجود کس طرح دنیاوی عیش و آرام کی خواہش کی جاسکتی ہے؟ ساری کی ساری عیش تو مخلوق سے منقطع ہو کر بارگاہ الٰہی عزوجل کی طرف توجہ، احکام قضا و قدر سے موافقت اور خود کو حکم الٰہی کے سامنے ڈالدینے میں ہے۔ (فتوح الغیب: 212،211)

آپ کی تحریر کردہ کتب میں الغنیۃ الطالب الطریق الحق، الفتح الربانی، فتوح الغیب، الفیضات الربانیہ، جلاء الخاطر فی الباطن و الظاہر، سر الاسرار و مظہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار، آداب السلوک و التوصل الی منازل الملوک، الکبریت الاحمر فی الصوۃ علی النبی ﷺ، ماتب الوجود، یواقیت الحکم کافی مشہور ہیں۔ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانیؒ کے مشہور فیض یافتگان میں ابن نجار، علامہ سمعانی، علامہ بن عمر علی القرشی، حافظ عبدالغنی، موفق الدین بن قدامہ، عبد الرزاق ابن موسیٰ، شیخ علی ابن ادریس وغیرہ مشہور شخصیات ہیں۔

☆☆☆

سلطان الہندؒ کے شہر میں دو دن!

حافظ قاری شاہ محمد عبدالمقتدر قریشی چشتی صابری
عزیز دکن خادم قوم وملت ۔ بانی و ڈائریکٹر مرکز خدمت خلق حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف ممالک میں ہمارے عزیز ملک ہندوستان کو ظاہری حسن و خوبی کے علاوہ دیگر بہت سی خصوصیات اور امتیازات سے نوازا ہے، بہ جملہ ان خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس ملک میں صدیوں سے مختلف مذاہب کے لوگ ایک خاندان کی طرح خلوص اور آپسی عزت و احترام کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، ہندوستان کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں مختلف علاقوں میں الگ الگ زبانیں بولی جاتی ہیں، تھوڑی تھوڑی دوری پر تہذیب وتمدن اور رہن سہن میں تبدیلی آجاتی ہے، کھانے پینے کی لذت و ذائقہ میں بھی تبدیلی ہوجاتی ہے لیکن ان تبدیلیوں کے باوجود کمال یہ ہے کہ ان کے آپسی تعلقات میں کسی قسم کی کوئی کمی نظر نہیں آتی ہے، تہذیب وتمدن اور ریلیجن ومذاہب مختلف رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کا بھرپور خیال رکھتے ہیں اور احترام ملحوظ رکھتے ہیں بلاشبہ یہ آپ میں ایک مثال ہے اور اسی کا نام "ہندوستان" ہے اور پوری دنیا میں ہمارا ملک ہندوستان اسی خوبی کی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔

ہندوستان کو پیار و محبت کا ملک بھی کہا جاتا ہے اور اسے مہمان نواز ملک کے نام سے شہرت حاصل ہے، خاص کر اس ملک میں جہاں کہیں سے جب بھی کوئی قدآور مذہبی و روحانی شخصیت نے قدم رنجہ فرمایا تو ہندوستان کے باشندوں نے اپنی پلکیں بچھا کر استقبال کیا اور ان کے ساتھ اس قدر عقیدت و محبت کا اظہار کیا جسے تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھا گیا ہے، ہندوستانی لوگ جن شخصیتوں کا سب سے زیادہ احترام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ مذہبی اور روحانی شخصیات ہیں، باشندگان ہند نے نہ صرف ان کی زندگی میں ان کا احترام کیا بلکہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی برابر ان سے اپنی عقیدت و محبت کو برقرار رکھا، یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی اونچی اونچی درگاہیں اور وسیع و عریض آستانے اسی محبت اور غیر معمولی چاہت کی منہ بولتی تصویریں ہیں، مذہبی و روحانی شخصیات کے گزر جانے کے صدیوں بعد بھی ان کے آستانے مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں اور بے شمار لوگ بلا لحاظ مذہب وملت روزانہ ان کے آستانوں پر آتے ہیں اور ان سے اپنی محبت و چاہت کا اظہار کرتے ہیں، انہیں آستانوں میں سے ایک سلطان الہند، قطب الاقطاب حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ کا آستانہ بھی ہے جہاں ہر دن ہزاروں کی تعداد میں زائرین آتے ہیں اور قبر شریف کی زیارت کرتے ہیں۔

سیدنا خواجہ اجمیریؒ وہ عظیم مذہبی اور روحانی شخصیت ہیں جن کے علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور اخلاق وکردار نے لاکھوں لوگوں کو متاثر کیا، لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت خوشبو کی طرح بس گئی ہے، سیدنا خواجہ اجمیریؒ وہ عظیم اور غیر معمولی روحانی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان میں ایک عظیم مذہبی انقلاب برپا کردیا تھا، لاکھوں لوگ آپؒ کے عقیدت مند ہوگئے تھے، اور لاکھوں لوگ آپ کے دست حق پرست پر کفر وشرک کی سنگلاخ وادی چھوڑ کر دین اسلام کے حسین و خوبصورت دین میں داخل ہو کر آخرت کی ابدی کامیابی کے حقدار ہوگئے تھے، سیدنا خواجہ اجمیریؒ نے لوگوں کے سامنے تقویٰ وللہیت کا مثالی عملی نمونہ پیش کیا، جہاں جہاں سے آپؒ کا گزر ہوا لوگ رخ انور کی زیارت کے لئے اُمنڈ پڑے اور جیسے ہی آپؒ کے چہرہ پر نظر پڑی بے ساختہ کہنے لگے کہ یہ حسین چہرہ سچا ہے اور اس کی باتیں سچی ہیں۔

سیدنا خواجہ اجمیریؒ جب علوم شریعت کی تکمیل سے فراغت حاصل کی تو روحانی علوم کی تحصیل کے لئے سفر کا آغاز کیا اور شیخ کامل کی تلاش میں مختلف علاقوں کا سفر کرتے ہوئے بالآخر نیشا پور کے قصبہ "ہارون" پہنچے جہاں اپنے وقت کے عظیم مذہبی رہنما اور طریقت کے امام حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہارونیؒ قیام پذیر تھے اور سیدنا خواجہ ہارونیؒ کی خانقاہ میں روحانی وعرفانی مجالس آراستہ ہوتی تھیں، سیدنا خواجہ اجمیریؒ سیدنا خواجہ ہارونیؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے اور اپنے شیخ کی تربیت میں رہ کر، عبادات، ذکر واذکار، وظائف اور مجاہدات وریاضات کے ذریعہ بہت کم وقت میں روحانیت کے بلند وبالا مقام پر فائز ہوگئے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ سیدنا خواجہ ہارونیؒ نے اپنے سچے مرید باصفا کو خلافت واجازت سے نوازا اور ان کے سر پر خلافت کی دستار باندھی اور اپنے تربیت یافتہ مرید خاص سے متعلق یوں اظہار فرمایا "معین الدین محبوب خدا ہے اور مجھے اس کی خلافت پر ناز ہے"، سیدنا خواجہ اجمیریؒ اپنے شیخ کی جانب سے خلافت واجازت سے سرفراز ہونے کے بعد مختلف اولیائے عظام کی خدمت میں حاضری دینے کی غرض سے چل پڑے اور چلتے چلتے اصفہان پہنچے اور یہاں سید شیخ محمود اصفہانیؒ سے ملاقات کی، اسی مقام پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی آپؒ سے ملاقات ہوئی اور حد درجہ متاثر ہوکر آپ کے مریدوں میں شامل ہوگئے۔

سیدنا خواجہ اجمیریؒ اصفہان سے مکہ مکرمہ پہنچے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور مزار اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا، مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک رات جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ نے سیدنا خواجہ اجمیریؒ کو ہندوستان میں دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لئے ہندوستان کے علاقہ اجمیر جانے کا اشارہ فرمایا، کہتے ہیں کہ جب سیدنا خواجہ اجمیریؒ خواب سے بیدار ہوئے تو آپ پر وجد اور سرور طاری تھا اور سوچنے لگے کہ آخر ہندوستان میں اجمیر کہاں ہے، اسی سوچ و فکر میں آپ کو نیند لگ گئی پھر ایک بار جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے دیکھا کہ چاروں سمت روشنی ہی روشنی ہے جس کے سبب سے بڑے بڑے علاقے اور شہر صاف طور پر نظر آرہے ہیں جن میں شہر اجمیر، یہاں کی پہاڑیاں اور قلعہ صاف نظر آئے اور آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "ہم تمہیں خدا کے سپرد کرتے ہیں"، سیدنا خواجہ اجمیریؒ ہندوستان کی طرف چل پڑے اور اجمیر پہنچ کر پہلے ہی دن سے اپنی دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردیا، آپؒ کے حسن اخلاق، اعلیٰ کردار اور موثر دعوت سے لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اجمیر جو کفر وشرک کا مرکز تھا اسلام کی چھاؤنی میں تبدیل ہوگیا، تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا خواجہ اجمیریؒ کی کوشش سے تقریباً نوے لاکھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کفر وشرک کی گہرائی سے نکل کر اسلام وایمان کے امن وامان میں داخل ہوگئے۔

سیدنا خواجہ اجمیریؒ سلسلہ چشتیہ کے سربراہ اور اس کے روح رواں ہیں، بڑی سعادت کی بات ہے کہ یہ خادم بھی اسی سلسلہ سے وابستہ ہے، اس خادم کو گرچہ تصوف کے چاروں سلسلوں میں اجازت حاصل ہے مگر وظائف ومعمولات سلسلہ چشتیہ کی تعلیمات کے مطابق انجام دیتا ہے اور سالکین کی تربیت اسی تعلیمات کے مطابق کرتا ہے، یہ خادم موقع بموقع اولیائے عظام کی زیارتیں کرتا ہے اور اسے اپنے لئے سعادت اور روحانی فیوض وبرکات کا ذریعہ سمجھتا ہے، کبھی کبھار اپنے مریدین ومتوسلین کو بھی شریک سفر بنالیتا ہے تاکہ دوران سفر ان کی رہنمائی اور اصلاح وتربیت کرسکیں اور انہیں بتاسکیں کہ اولیائے عظام کی زیارت کا شرعی اور مسنون طریقہ کیسا ہوتا ہے اور ان چیزوں سے انہیں بچاسکیں جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے، بات یہ ہے کہ اس وقت مزارات اولیاء پر جو کچھ خرافات انجام دئے جاتے ہیں شریعت کی نظر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی یہ اولیاء کی تعلیمات کا حصہ ہیں بلکہ اولیائے عظام تو ان خرافات سے بے زار اور بری ہیں اور یقیناً کسی بھی ولی کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس طرح کے بے ہودہ، بدعات وخرافات پر مبنی اعمال سے خوش ہوتے ہوں گے بلکہ یہ وہ اعمال ہیں جن کی اولیائے عظام نے نہ زندگی میں تعلیم دی ہے اور نہ ہی اپنے مریدین کو اس کی ترغیب دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اولیائے عظام کی تعلیمات تو شریعت وسنت کے عین مطابق ہوتی ہیں اور یہ عظیم ہستیاں ہر وہ چیز سے دور رہتے ہیں جن کا شریعت وسنت سے کوئی تعلق نہیں رہتا بلکہ ہر ولی موحد، عامل سنت اور متبع شریعت ہوتا ہے اور اپنے مریدین ومتوسلین کو اسی کی تعلیم وتربیت کرتا ہے، سیدنا خواجہ بختیار کاکیؒ جو سیدنا خواجہ اجمیریؒ کے خلیفہ راشد اور جانشین تھے نے آپؒ کے ارشادات اور اقوال کو "دلیل العارفین" کے نام سے قلم بند کیا ہے اس میں حضرت اجمیریؒ اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز بندوں کے لئے خدا کی امانت ہے، پس بندوں کو چاہئے کہ اس کا حق ادا کریں کہ اس میں کوئی خیانت نہ کریں، قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء، اولیاء اور ہر مسلمان سے ہوگا، اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ بلاوجہ کسی مسلمان بھائی کو ستایا جائے، اگر کسی شخص میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، (۱) سخاوت (۲) شفقت (۳) تواضع، (پھر ان تینوں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا) سخاوت دریا جیسی ہو، شفقت آفتاب جیسی اور تواضع زمین جیسی ہو، اس قدر صاف شفاف تعلیمات کے باوجود اگر کوئی مزارات اولیاء پر بے ہودہ حرکتیں کرتا ہے اور ان امور کو انجام دیتا ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اولیاء کی بارگاہوں پر جاکر غیر شرعی افعال اور بے ہودہ حرکتیں کرنے والوں کی وجہ سے صاحب مزار کی شان میں گستاخی کرنا اور انہیں نشانہ ملامت بنانا جہالت اور ناسمجھی کی علامت ہے، یہ خادم زیارت اولیاء کے ذریعہ جہاں ان مبارک ہستیوں کی حقیقی تعلیمات عام کرنا چاہتا ہے وہیں انہیں آداب زیارت سے واقف کروانا چاہتا ہے اور لوگوں کو بتانا چاہتا ہے کہ اللہ والوں کا راستہ دراصل سلف صالحینؒ، صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کا راستہ ہے جس پر چل کر آدمی رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتا ہے، چنانچہ اسی مقصد کی خاطر مریدین کی خواہش واصرار پر سلطان الہند سیدنا خواجہ اجمیریؒ کی زیارت کا سہ روزہ نظام بنایا گیا، بروز جمعرات ۲۵ ستمبر ۲۰۲۵ صبح کے وقت مرکز خدمت خلق حیدرآباد سے اس خادم کے ساتھ مریدین کی ایک بڑی تعداد شمس آباد ائرپورٹ روانہ ہوئی، مریدین کی ایک بڑی تعداد ہوائی جہاز کے سفر میں اس خادم کے ساتھ تھی تو ایک بڑی تعداد مریدین کی وہ تھی جو ٹرین کے ذریعہ اس خادم سے پہلے ہی اجمیر پہنچ چکی تھی، جمعرات ۲۵ ستمبر ۲۰۲۵ بعد نماز عشاء احاطہ درگاہ میں موجود انتہائی وسیع وعریض اور نہایت خوبصورت اور شاندار خانقاہ میں اس خادم کی نگرانی میں ذکر وسلوک کی پہلی نشست منعقد ہوئی، اس دلکش، کشادہ، بلند ترین اور اونچی کرسی والی خانقاہ جسے تین روز تک ہمارے پروگراموں کے لئے مختص کردیا گیا تھا وہاں کے بعض لوگوں نے بتایا کہ اسے دکن کے فرمانروا حضور نظام نے تعمیر کروایا تھا جسے سن کر دلی خوشی ہوئی اور اندازہ ہوا کہ بادشاہ اور خصوصاً ہمارے دکن کے بادشاہ اولیاء سے سچی محبت کرنے والے اور اہل علم واہل دل کے قدرداں تھے، بہرحال تلاوت قرآن کے ذریعہ مجلس کا آغاز ہوا، اس کے بعد بہت دیر تک نعت پاک اور منقبت کا سلسلہ جاری رہا، سامعین عشق ومحبت میں جھوم رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ مجلس پر انوار وبرکات کا نزول ہورہا ہے، اس خادم کے ساتھ آئے ہوئے تمام مریدین ایک ہی لباس میں ملبوس تھے، پُر رونق مجلس کو دیکھ کر زائرین کی ایک بڑی تعداد بھی شریک مجلس ہوگئی تھی، اس عاجز نے درمیان درمیان میں تعلیمات اولیاء کا ذکر کیا اور سامعین کو شریعت وسنت پر چلنے کی تلقین کی، ذکر جہری کے بعد تقریباً رات ڈھائی بجے دعا کے ذریعہ پہلی نشست کا اختتام عمل میں آیا۔

بروز جمعہ ۲۶ ستمبر ۲۰۲۵ کو ناشتہ سے فراغت کے بعد دوسری نشست کا آغاز ہوا مگر اس نشست کو تصحیح احوال کا نام دیا گیا تھا، اس مجلس میں خادم نے اپنے مریدین سے انفرادی احوال سن کر انہیں ضروری ہدایتیں دی اور بعض وہ باتیں جو سب کے لئے ضروری تھیں ان سے ذکر کی گئیں اور ان پر مداومت کی تلقین کی گئی، اس کے بعد نماز جمعہ تک تلاوت قرآن، ذکر جہری وقلبی اور جمعہ کے دیگر معمولات کا سلسلہ جاری رہا، پھر اذان جمعہ پر اس مجلس کا اختتام عمل میں آیا، نماز جمعہ سے فراغت کے بعد اس خادم کی نگرانی میں سلطان الہند خواجہ اجمیریؒ کے قبر مبارک کی اجتماعی طور پر آداب زیارت کا مکمل لحاظ کرتے ہوئے زیارت کی سعادت حاصل کی گئی، اس خادم کو بار بار یہ محسوس ہورہا تھا کہ سنت کے مطابق زیارت سے حضرت خواجہ اجمیریؒ خوشی ومسرت کا اظہار کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں جو لوگ ہماری تعلیمات پر گامزن ہیں ہم ان سے خوش ہیں اور جو ہماری تعلیمات سے روگردانی کررہے ہیں ہم ان سے ناراض ہیں، یقیناً اللہ والے ان ہی چیزوں سے خوش ہوتے ہیں جن کا تعلق شریعت وسنت سے ہوتا ہے اور ان چیزوں سے ناراض ہوتے ہیں جن کا تعلق بدعات وخرافات سے ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن بعد نماز عشاء تیسری اور آخری مجلس کا اسی خانقاہ میں آغاز ہوا، حسب سابق تلاوت قرآن اور نعت پاک سے مجلس کی شروعات کی گئی اور نعت خوانوں نے اپنی خوبصورت آواز اور محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار سنا کر سامعین کو محظوظ کیا اور اولیائے عظام بالخصوص حضرت خواجہ اجمیریؒ کی شان میں منقبت پیش کی، اس موقع پر اس خادم نے عام فہم انداز میں شرکائے مجلس کے سامنے تعلیمات اولیاء کو پیش کیا اور انہیں تصوف کا خلاصہ بتاتے ہوئے کہا کہ بندوں کو رب سے ملانے کا نام تصوف ہے، ذکر الٰہی کے ذریعہ جب بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو رب اس بندہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور بندہ اپنے رب کے استحضار کا تصور کرتا ہے تو رب اسے اپنی خصوصی رحمت میں شامل کرکے اسے گناہوں سے بچاتا رہتا ہے، مگر یاد رکھیں شریعت وسنت پر عمل کے بغیر قرب الٰہی کا تصور محال ہے اور جو بندہ حلال وحرام کا لحاظ نہیں رکھتا ذکر الٰہی سے اس کا قلب منور نہیں ہوسکتا، جو بندہ تقرب الٰہی کا طالب ہے اسے چاہئے کہ بندوں کی خوب خدمت کرے، اس خادم کی چند نصیحتوں کے بعد ذکر جہری بارہ تسبیح کروائی گئی، اذان فجر سے آدھا گھنٹہ قبل مجلس کا اختتام عمل میں آیا، یاد رہے کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ روزانہ ذکر جہری بارہ تسبیح کیا کرتے تھے اور ذکر جہری آپؒ کے سلسلہ کی جان اور روح ہے، دوران مجلس اس خادم نے بارہا محسوس کیا کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ ہم پر روحانی توجہ فرمارہے ہیں اور ذکر جہری کا سبق سنانے سے خوشی کا اظہار فرمارہے ہیں، ذکر کے دوران بار بار میرے ذہن میں یہ اشعار آرہے تھے جسے اکثر میں اپنے خانقاہ میں مجالس میں پڑھتا ہوں کہ ؎

اندھیریوں میں نور کی ہزار کرنیں پائے گا
تو رب کی سمت گر چلے تو دوڑ کر وہ آئے گا
تری ہر ایک آرزو کرم سے بر وہ لائے گا
اپنے رب کو تو پکار دل سے صرف ایک بار
تو ذکر رب اگر کرے تو تیرا ذکر رب کرے
تو رب سے ملنے گر چلے تو رب بھی تجھ سے آملے
اگر تو اس کا ہوگیا نہ دل جلے نہ تو جلے
اپنے رب کو تو پکار دل سے صرف ایک بار

بروز ہفتہ ۲۷ ستمبر ۲۰۲۵ نماز فجر سے قبل اس خادم کے ساتھ سبھی شرکائے سفر نے سلطان الہندؒ کی زیارت کی، اس وقت بھی لوگوں کا کافی ہجوم تھا اور زائرین بارگاہ کھلنے کے منتظر تھے، اس موقع پر مجھ سے میرے ایک مرید نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی مقبولیت کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے وہی جواب دیا جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کسی پوچھنے والے کو اس شعر کے ذریعہ دیا تھا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یعنی یہ سعادت بازو کی قوت کی وجہ سے نہیں ہے، جب تک عطا کرنے والا خدا کسی کو کوئی مرتبہ نہ عطا کرے۔

☆☆☆

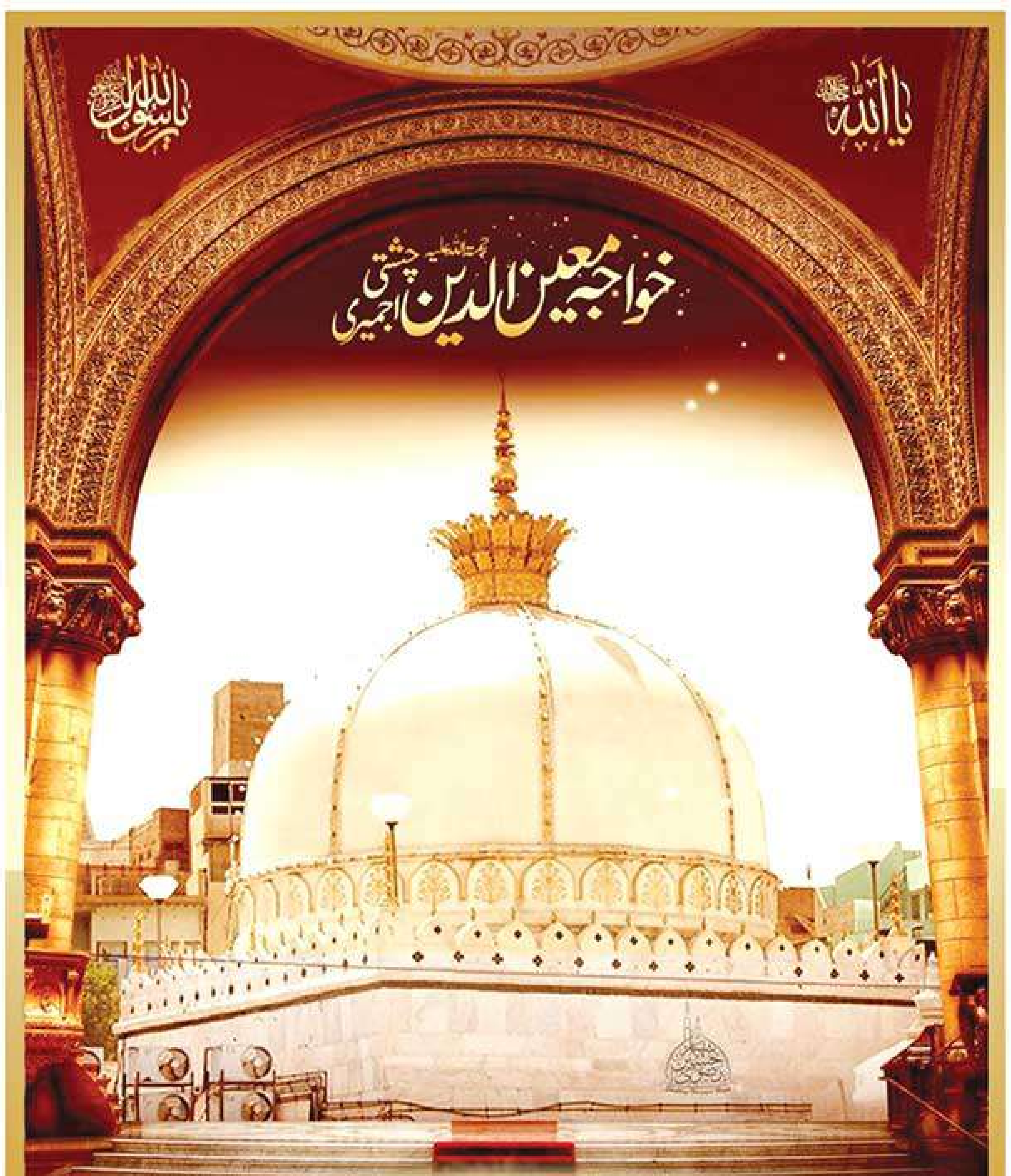

احتجاج اور مظاہرے

مسلمانوں کی تاریخ سے بعض نمونے

محمد صیا۔ ترجمہ: تنویر آفاقی

398ھ/ 1009ء کے دوران مصر میں اناج اس قدر مہنگا ہوگیا کہ لوگ روٹی کے لیے کتوں کی طرح لڑنے لگے۔ آخرکار لوگوں نے گندم کی قلت اور خراب گندم کی فراہمی کو لے کر احتجاج کیا اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہاتھوں میں روٹی کے ٹکڑے لیے مصر کے فاطمی فرماں روا حاکم بامر اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کا یہ شاید پہلا انوکھا اور پرامن شہری احتجاج تھا۔ اسلامی تاریخ اس قسم کے احتجاج کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس پرامن جدوجہد کے پیچھے جو شرعی جواز ودلائل کارفرما تھے وہ مظلوم کو اپنی مظلومیت کے اظہار اور حق داروں کو اپنے حقوق کی خاطر مزاحمت کی تحریک و ہمت عطا کرنے والے تھے۔ مظلوموں اور مستحقین کے اندر یہ تحریک پیدا کرنے والی اولین ذات نبی کریم ﷺ کی ہے۔ آپؐ حاجت مندوں کی باتوں کو غور سے سنا کرتے اور ان رکاوٹوں کو دور فرمایا کرتے جو حق داروں اور مظلوموں کو اپنی بات کھل کر رکھنے سے روکتی ہوں، بلکہ آپؐ نے تو حکم رانوں کے لیے اس بات کو حرام قرار دیا کہ وہ عوام ورعایا سے حجاب میں رہیں:

من ولي من أمر الناس شيئا فاحتجب عن أولي الضعفة والحاجة احتجب الله عنه يوم القيامة
(رواه أحمد والطبراني)

"جس شخص کو لوگوں کے معاملات کی ذمے داری سونپی گئی ہو اور وہ کم زوروں اور حاجت مندوں سے حجاب رکھے تو اللہ قیامت کے دن اس سے حجاب کرلے گا۔"

نبی ﷺ کے بعد خلفائے راشدین آئے جنھوں نے امت کے دلوں اور ان کی عملی زندگی میں اقتدار کے خلاف 'احتجاج کا فہم وشعور' پیوست کیا اور آگاہ کیا کہ اہل اقتدار کی جن پالیسیوں کو آپ مسترد کرتے ہیں ان پر اعتراض کرنا آپ کا حق ہے۔ پھر سرکردہ مصلح علما (محدثین، فقہا، صوفیا وصلحائے کرام) کا دور آیا۔ یہ حضرات اپنے حقیقی کردار سے آگاہ تھے۔ یعنی یہ کہ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے ان کے مسائل و معاملات کو محسوس کیا جائے۔ اسی چیز نے انھیں امت کی عمومی قیادت ورہ نمائی کے لائق بنایا۔ امت کے معاملات میں علمائے کرام کی مثبت شمولیت نے اسلامی معاشرے کو زندگی بخشی۔ اس طرح مظالم کے خلاف مزاحمت اور ظلم وجور کو ختم کرنے کے سلسلے میں مسلم رائے عامہ مزید موثر ہوئی۔

عملی سطح پر مسلمانوں نے شہری احتجاج کے لیے مختلف انداز اور طریقے اختیار کیے، مثلاً عوام الناس کو جمع کیا، مظاہرے کیے، ہڑتالیں کیں، بائیکاٹ کیا، عام نظام کو معطل کیا، مطالبات پر مشتمل عرض داشتیں لکھ کر حکومت کے سامنے پیش کیں اور جس طرح اہل مصر نے ہاتھوں میں روٹی کے ٹکڑے لے کر غلے کی گرانی کے خلاف مظاہرہ کیا تھا، اسی طرح مختلف احتجاجی علامتوں کا استعمال کیا۔

شدید اور پریشان کن حالات کے دوران مساجد میں دعاؤں کا اہتمام بھی مسلمانوں کا ایک معروف اور موثر احتجاجی طریقہ رہا ہے۔ ان احتجاجی سرگرمیوں کے دوران اس وقت تصادم اور مزاحمت کی کیفیت بھی دیکھنے کو ملتی تھی جب اختلاف رائے یا حقوق کا مطالبہ کرنے کی بنیاد پر قید کیے جانے والے لوگوں کی رہائی کے لیے جیلوں پر ہلہ بول دیا جاتا۔

احتجاج کا اہم ترین پہلو یہ تھا کہ حکومتی پالیسی یا فیصلے کی وجہ سے جب اسباب زندگی متاثر ہوجاتے تو اس صورت میں مختلف مذہبی طبقات کے درمیان اتحاد کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی۔ ظلم وعدوان کے خلاف انجام پانے والے عوامی مظاہروں میں الگ الگ مذہبی علامات کو نمایاں کرکے تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مسلمانوں کی تاریخ میں پیشہ ور اور کاروباری طبقوں کے احتجاج اور مزدوروں کی ہڑتال کا بھی ذکر ملتا ہے جس کی وجہ سے بازاروں پر تالے لگ جایا کرتے تھے۔

احتجاج کے بعض طریقے تو اس انتہا کو پہنچ جاتے کہ مسجدوں میں باجماعت نمازوں کا سلسلہ معطل ہوکر رہ جاتا۔ ایسا اس وقت ہوتا جب حکومتیں امن وامان کی فراہمی میں کوتاہ ثابت ہوتیں۔ گورنروں، حکومتی کارندوں، ججوں اور وزرا کو عوام کے ہاتھوں معطل بھی ہونا پڑتا، یا پرامن احتجاج ایک بھیانک بغاوت کی صورت اختیار کرلیتا اور حکومت اور اس کے ارکان کا تختہ پلٹ دیتا۔

ابتدائی دور کی چند تصویریں

خلفائے راشدین کا دور آیا تو انھوں نے امت کے دلوں میں احتجاج کا 'فہم' راسخ اور پختہ کیا۔ انھوں نے امت کو واقف کرایا کہ انھیں حکومت کی کوئی پالیسی قابل اعتراض نظر آئے تو اس کے خلاف اپنا احتجاج درج کرانا ان کا حق ہے۔ اسی لیے خلفائے راشدین اپنے عہد کے آغاز میں عوامی خطاب کے دوران یہ اعلان فرمایا کرتے کہ وہ عوامی جواب دہی سے ماورا نہیں اور ان کی پالیسیاں تنقید واصلاح سے بالاتر نہیں ہیں۔

حضرت امام مالک بن انسؒ (م: 179ھ/ 795ء) نے موطا میں یہ روایت نقل کی ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ (م: 13ھ/ 635ء) نے بیعت مکمل ہونے کے بعد صحابہ کرام سے خطاب فرمایا تو یہ بھی فرمایا: "اما بعد، مجھے آپ لوگوں کے معاملات کا ذمے دار بنا دیا گیا ہے حالاں کہ میں آپ لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔۔۔ لوگو، میں اللہ کی پیروی کروں گا، دین میں کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کروں گا۔ جب میں اپنی ذمے داری کو احسن طریقے سے انجام دوں تو میری مدد کرنا، اور اگر کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردینا۔"

اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ امت کو اپنے معاملات میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ وہ جسے چاہے خلیفہ منتخب کرے، جسے چاہے معزول کرے، اس سے اختلاف کرے، اس کے خلاف احتجاج کرے، اس کی نگرانی کرے اور ضرورت پڑنے پر اسے سیدھا کردے۔ اسی لیے امام مالکؒ نے حضرت صدیقؓ کے اس قول پر یہ تبصرہ کیا ہے: "کوئی شخص اگر حکم راں بن سکتا ہے تو صرف اسی شرط پر بن سکتا ہے۔"

امام ذہبی (م: 748ھ/ 1347ء) تاریخ الاسلام میں ذکر کرتے ہیں کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ (م: 23ھ/ 645ء) کی ملاقات ایک روز جلیل القدر صحابی محمد بن مسلمہ (م: 46ھ/ 667ء) سے ہوئی تو ان سے فرمایا: "مجھے کیسا دیکھتے ہو؟" کہا: "جیسا میں چاہتا ہوں۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ مال جمع کرنے پر قادر ہیں، لیکن اس سے بے نیاز وکنارہ کش رہتے ہیں، اس کی تقسیم میں عادل ومنصف ہیں۔ اگر آپ (مال کی طرف) مائل ہوئے تو ہم آپ کو اسی طرح سیدھا کردیں گے جس طرح نیزے کو سیدھا کیا جاتا ہے۔"

ایسا نہیں تھا کہ یہ اصول خلفائے راشدین اور رعایا کے درمیان ذاتی وشخصی نوعیت کے معاملات کے ساتھ مخصوص رہے ہوں، بلکہ ان اصولوں کو مستقل دستور کی حیثیت حاصل تھی، جس پر اکثر اوقات خلافت راشدہ کے حکام اور ریاستی گورنر عامل رہا کرتے تھے۔ بلکہ خلفا اپنے عام ملازمین کو ان اصولوں کا پابند کیا کرتے تھے۔ امام بیہقیؒ (م: 458ھ/ 1067ء) نے السنن الکبریٰ میں روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے خطاب فرمایا:

"سنو، میں اپنے کارندے تمھارے پاس اس لیے روانہ کرتا ہوں تاکہ وہ تمھیں دین کی تعلیم اور سنت کا علم دیں۔ اس لیے نہیں بھیجتا ہوں کہ وہ تمھارا ناطقہ بند کریں اور تمھارے مال پر دست درازی کریں۔ سنو، اگر کسی کو اس طرح کا کوئی شک محسوس ہو تو وہ اس کی شکایت مجھ تک پہنچائے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے، میں اس سے اس کا پورا بدلہ لوں گا۔" اس کے بعد آپؓ نے اپنے گورنروں کو مخاطب کرتے ہوئے تنبیہ کی: "سنو، مسلمانوں کو مار نا مت کہ وہ تمھاری تذلیل کرنے لگیں اور نہ ان کا حق روکنا کہ وہ تمھاری بے قدری کرنے لگیں۔"

مسلمانوں کی طرف سے پرامن احتجاج کا پہلا عملی مظاہرہ حضرت عثمان بن عفانؓ (م: 35ھ/ 656ء) کے زمانے میں ہوا، جب مختلف ریاستوں سے جمع ہونے والے ایک گروہ نے ان کی بعض پالیسیوں اور گورنروں کے خلاف احتجاج کیا تھا۔

اس سے قطعِ نظر کہ احتجاج کرنے والوں کے دعووں میں کتنی صداقت تھی، اور اس حقیقت کے باوجود کہ اس احتجاج میں تختی اور تشدد کا استعمال کیا گیا تھا، خلیفہ حضرت عثمانؓ نے ان کے احتجاج کو تسلیم کیا اور اس طرح کام یابی کے ساتھ امت کے اس حق کی ضمانت فراہم کی کہ وہ اپنے ذمے داروں کے خلاف اپنی آواز رکھ سکیں۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت عثمانؓ نے احتجاج کو منتشر کرنے کی کوشش اور صحابہ کرام کی مداخلت کو بھی مسترد کردیا تھا جو کہ خود ان کی زندگی کو بچانے کے لیے مظاہرین سے جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔

اس تعلق سے امام ابن کثیرؒ (م: 774ھ/ 1372ء) کہتے ہیں: "حضرت عثمانؓ کے گھر کے اندر اس وقت مہاجرین وانصار کے تقریباً سٹر فرزندگان موجود تھے۔ اگر حضرت عثمانؓ نے انھیں اجازت دی ہوتی تو وہ آپؓ کا دفاع کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے قریب موجود ان لوگوں سے کہا: "جس پر میرا کچھ بھی حق ہے، میں اسے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اپنا ہاتھ روکے رہے اور اپنے گھر کی طرف چلا جائے۔ پھر اپنے غلاموں سے فرمایا: "جو اپنی تلوار میان میں رکھ لے وہ آزاد ہے۔"

طویل راستہ

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ احتجاجی مظاہرہ، جس کا آغاز تو پرامن انداز میں ہوا تھا، لیکن اختتام ان کی شہادت پر ہوا، ان سیاسی وسماجی مظاہروں کے ایک طویل سلسلے کی بنیاد بنا، جس کی تفصیلات کو انتہائی باریکی کے ساتھ تاریخ اسلامی کے ہر دور میں مرتب اور محفوظ کیا گیا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ (م: 40ھ/ 661ء) کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کے خاتمے سے پہلے ہی ان اصولوں کی تاسیس ہوچکی تھی جن میں مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کیا گیا تھا کہ وہ اپنے حکم رانوں کی پالیسیوں پر احتجاج اور تنقید کا حق رکھتے ہیں۔ حکم راں دراصل امت کے عمومی وخصوصی مفادات ومصالح کے حصول کے سلسلے میں امت کے ہی نائب ونمائندہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر احتجاج مبنی برحقیقت اسباب کی بنا پر برپا ہوا ہو، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک شکل قرار پاتا ہے کیونکہ "سلطان کا احتساب ضروری ہے۔"

یہ وہ نظریاتی وعملی ورثہ ہے جو خلفائے راشدین کی پالیسیوں پر نظر رکھنے کے سلسلے میں صحابہ وتابعین کو پابند بناتا تھا، اسی ورثے کی روشنی میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اکثر حالات میں تمام تر احتجاجی مواقع پر اموی اقتدار کا سامنا کیا۔ اس احتجاجی مزاحمت کا آغاز اموی خلافت کے بانی حضرت معاویہ بن ابی سفیان (م: 60ھ/ 681ء) سے ہوا اور آخری اموی خلیفہ کے زندہ رہنے تک جاری رہا۔

حضرت معاویہؓ کی جانب سے اپنے فرزند یزید (64ھ/ 685ء) کو اقتدار کا وارث بنانے کا فیصلہ امویوں کے خلاف احتجاجی سلسلے کی اولین کڑی ثابت ہوا۔ امیر معاویہؓ نے حجاز کے گورنر مروان بن الحکم (م: 65ھ/ 686ء) کو حکم دیا کہ مدینہ منورہ کے اندر ان کے بیٹے یزید کی ولی عہدی پر صحابہ کرام کی بیعت حاصل کریں۔ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے اعتراض درج کراتے ہوئے اس فیصلے کو چیلنج کردیا جس کے خطرناک اثرات آئندہ مسلمانوں کی تاریخ پر پڑنے والے تھے۔

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "مروان حجاز کا حاکم تھا، حضرت معاویہ نے اسے وہاں کا گورنر بنایا تھا۔ اس نے خطاب کیا اور خطاب کے دوران اس نیت سے یزید کا نام لیا کہ والد کے بعد اس کے حق میں بیعت کی جائے۔ اس سلسلے میں مروان نے کہا: یہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی سنت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے جواب دیا: "یہ (ابوبکر وعمر کی نہیں) ہرقل اور قیصر کی سنت ہے۔" (الاصابہ فی تمییز الصحابہ)

مروان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ معاویہؓ نے جانشین کے طور پر اپنے بیٹے کا نام حضرت ابوبکرؓ کی تقلید میں پیش کیا ہے کہ انھوں نے بھی اپنے بعد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا تھا۔ لیکن اس معاملے میں صحابہ کرامؓ کا خیال یہ تھا کہ یہاں قیصران روم کی تقلید کی گئی ہے جو اپنے بعد اپنے بیٹوں کو بادشاہت منتقل کردیتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام سیوطی (م: 911ھ/ 1506ء) نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے: "حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کھڑے ہوئے اور کہا: "بلکہ یہ تو کسریٰ اور قیصر کی سنت ہے۔ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میں سے کسی نے بھی اپنی اولاد یا اپنے گھر کے کسی فرد کو اپنا وارث نہیں بنایا تھا۔"

حضرت عبدالرحمن کے اس جواب میں اس جانب بلیغ اشارہ بھی تھا کہ اموی گھرانے پر ملکِ شام کا اثر ہے جو پہلے رومیوں کے زیر حکومت رہ چکا ہے۔ اور خاص طور سے حضرت معاویہؓ پر اس ماحول کا اثر ہے جو (گورنر اور بعد میں خلیفہ کی حیثیت سے) تقریباً تیس سال سے شام کے حاکم چلے آرہے تھے۔

ابن حجر ایک ایسے واقعے کا بھی ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کے ساتھ اسی قسم کی احتجاجی صورت حال اس وقت پیش آئی جب وہ 51ھ/ 672ء میں حج کے ارادے سے حجاز آئے۔ اس وقت انھوں نے اہل مدینہ سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لینی چاہی۔ "انھوں نے اہل مدینہ سے خطاب کیا اور لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی اپیل کی۔ اس موقع پر حضرات حسین بن علیؓ (م: 61ھ/ 682ء)، عبداللہ ابن الزبیر (م: 73ھ/ 690ء) اور عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نے ان سے گفتگو کی۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا: "کیا آپ 'ہرقل کے طریقے' کو نافذ کرنا چاہتے ہیں؟! ایک قیصر مرتا ہے اس کی جگہ دوسرا قیصر لے لیا کرتا ہے؟! خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔"

امام سیوطی جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمرؓ (م: 73ھ/ 690ء) کی جانب سے پیش کردہ موثر ومضبوط اپیلوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اپیلیں ان اہل مدینہ کے دفاع میں کی گئی تھیں جو خلافت کو خاندانی وراثت میں تبدیل کیے جانے کے مخالف تھے۔ امام سیوطی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اما بعد، آپ سے پہلے ایسے خلیفہ گزرے ہیں جن کے فرزندگان آپ کے بیٹوں سے کہیں زیادہ لائق تھے، لیکن انھیں اپنے فرزندوں میں بھی وہ صلاحیت نظر نہیں آئی جو آپ نے اپنے بیٹے میں دیکھ لی ہے۔ انھوں نے تو مسلمانوں کے لیے وہ شخص منتخب کیا جو ان کے علم میں سب سے افضل وبہتر تھا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خلیفہ معاویہؓ کی دلیلوں کو سننے سے انکار کردیا تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے حضرت ابن عمرؓ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا: "اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے بیٹے کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دیں تو خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ قسم ہے خدا کی، آپ یا تو اس معاملے کو مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں پیش کریں گے ورنہ ہم شدت کے ساتھ اسے آپ کی طرف لوٹا دیں گے۔" "عبارت" شدت کے ساتھ واپس آپ کی طرف لوٹا دیں گے" میں اس بات کی واضح تنبیہ ہے کہ وہ اس معاملے کو پرامن احتجاج سے لے کر مسلح تحریک نافرمانی تک لے جانے کے لیے تیار ہیں۔"

(جاری)

Printed by Mohammed Abdul Jaleel & Published by Mohammed Abdul Jaleel on behalf of Dera Leasing & Construction Company & Printed at Dera Leasing & Printing Press, Khan Lateef Khan Estate 5-9-62 Hyd-500001 & Published at Munsif Daily, Khan Lateef Khan Estate 5-9-62 Hyd-500001. Editor Mohammed Abdul Jaleel

طابع محمد عبدالجلیل و ناشر محمد عبدالجلیل نے ڈیرا لیزنگ اینڈ کنسٹرکشن کمپنی کی طرف سے ڈیرا لیزنگ اینڈ پرنٹنگ پریس خان لطیف خان اسٹیٹ 5-9-62 حیدرآباد 500001 سے چھپوا کر روزنامہ منصف خان لطیف خان اسٹیٹ 5-9-62 حیدرآباد 500001 سے شائع کیا۔ ایڈیٹر محمد عبدالجلیل

Phone No. 040-66660005 66660006 66660007, Email: report@munsifdaily.com, Website: www.munsifdaily.com, Epaper: www.munsifdaily.in, R.N.I. No. 8181/63, Postal Licence No. H-HD-GPO/025/2024-2026